معارف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی صدائے ثقلین لندن

جنوری تا مارچ 2016 27

- عید میلاد النبیؐ اور میلاد حضرت امام جعفر صادقؑ کے موقع پر رہبر معظم کا خطاب
- یورپی و مغربی ممالک کے نوجوانوں کے نام رہبر معظم کا خط
- امام جعفر صادقؑ کے اخلاق کے چند نمونے
- تاریکیوں سے "نور" کی طرف سفر
- حضرت فاطمہؑ معصومینؑ کی نظر میں
- یورپین دین یا اسلام محمدیؐ
- حلال میڈیا اور حرام میڈیا
- حضرت ابوذر غفاریؓ
- شرح چہل حدیث
- شیعہ اسلامی عقائد
- اخلاق اہل بیتؑ
- بھیڑ میں تنہا

مجمع اہل بیتؑ برطانیہ

27
صدائے ثقلین لندن
January to March 2016
The Sada-e-Saqalain London

معارف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

صدائے ثقلین

لندن

مجمع اہل بیتؑ برطانیہ

جنوری تا مارچ 2016ء | 27 | جلد 7 | شمارہ 3

نظارت

حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر محمد علی شمالی

مدیر

جعفر علی نجم

مجلس تحریر

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن معروفی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید علی رضا رضوی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری (مانچسٹر)

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل (مانچسٹر)

ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

خط و کتابت کیلئے

Ahlul Bayt Assembly of UK ®

In Association with

Islamic Center of England

140 Maida Vale, London, W9 1QB, UK

Web: www.ic-el.com

Email: saqalainurdu@live.co.uk

فہرست

مضامین	مقالہ نگار	صفحہ
سخن مدیر	جعفر علی نجم	3
عید میلاد النبیؐ اور میلاد حضرت امام جعفر صادقؑ کے موقع پر رہبر معظم کا خطاب	حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای دام ظلہ العالی	5
شیعہ اسلامی عقائد	علامہ سیّد محمد حسین طباطبائیؒ	12
تاریکیوں سے ''نور'' کی طرف سفر	حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ محمد علی شمالی	30
یورپی و مغربی ممالک کے نوجوانوں کے نام رہبر معظم کا خط	حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای دام ظلہ العالی	46
حلال میڈیا اور حرام میڈیا	حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل	53
یورپین دین یا اسلامِ محمدیؐ	حجۃ الاسلام مولانا سیّد شمشاد حسین رضوی	60
حضرت ابوذر غفاریؓ	حجۃ الاسلام مولانا سیّد فدا حسین بخاری	66
بھیڑ میں تنہا	حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن معروفی	76
امام جعفر صادقؑ کے اخلاق کے چند نمونے	صادقین فاؤنڈیشن	80
حضرت فاطمہؑ معصومینؑ کی نظر میں	دار العرفان	89
اخلاقِ اہل بیتؑ	آیت اللہ محمد محمدی ری شہری	111
شرحِ چہل حدیث	آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ	119

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن مدیر

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
(علامہ محمد اقبالؒ)

الحمدللہ! سہ ماہی ثقلین کا ایک نیا شمارہ آپ کی خدمت میں آنلائن حاضر ہے۔ ماہ ربیع الاول کی آمد پر دنیا بھر کے مسلمانوں کو عید میلاد النبی ﷺ اور ولادت باسعادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مناسبت سے مبارکباد عرض ہے۔

اس وقت جہاں ایک طرف عالم اسلام میں اس میلاد کی خوشیاں منائی جارہی ہیں وہیں کچھ ایسے نام نہاد مسلمان بھی ہیں کہ جو اسلام کے مقدس نام اور رسول کریم، خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات والا صفات کے نام مبارک کو بدنام کررہے ہیں۔ وہ اسلام اور رسول کریم ﷺ کے نام پر مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کا خون بہاتے ہیں، ان کا سر قلم کرتے ہیں، حتی کہ وہ خواتین اور بچوں پر بھی رحم نہیں کرتے۔ یہ بظاہر تو اسلام کے نام لیوا ہیں لیکن حقیقت میں خونی درندے ہیں۔ بظاہر تو ان کے پرچم پر رسول اللہ ﷺ کا نام لکھا نظر آتا ہے مگر ان کی سیاہ کاریاں اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ ان کا رأفت و رحمت کی پیکر ذات مصطفی ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کاش! یہ لوگ اپنے نام نہاد ملاؤں کی باتوں کو سننے کی بجائے قرآن مجید کا ہی سرسری مطالعہ کر لیتے اور رحمۃ للعالمین کی سیرت طیبہ کو دیکھتے تو

انہیں معلوم ہوتا کہ جس جاہلیت کا وہ شکار ہیں اسی سے نکالنے کیلئے ہی تو آنحضرتؐ کی بعثت ہوئی تھی۔

دوسری جانب نائجیریا میں جس طرح فوج نے معصوم شیعیان حیدر کرارؑ کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا ہے، وہ واقعی باعث صد افسوس اور نہایت قابل مذمت ہے۔ مولانا شیخ زکزکی حفظہ اللہ کی جان پوری دنیا کے شیعوں کیلئے عزیز ہے۔ موصوف نے نہایت ہی مختصر سے عرصہ میں خطہ افریقہ کا نقشہ بدل ڈالا۔ خداوند متعال سے دُعا ہے کہ شیخ زکزکی کو جلد از جلد صحت وسلامتی کے ساتھ رہائی عطا فرمائے اور نائجیریا کے شہر زاریا میں حسینیہ بقیۃ اللہ کے شہداء کو شہدائے کربلا کے ساتھ محشور فرمائے۔

اس شمارے کی اشاعت کے بالکل آخری لمحات میں اطلاع ملی کہ آل سعود کی نام نہاد حکومت نے معروف عالم دین اور مجاہد فی سبیل اللہ جناب آیت اللہ شیخ باقر النمر کو ریاستی دہشت گردی کا بدترین مظاہرہ کرتے ہوئے شہید کر دیا ہے۔ ہم اس اقدام کی پُرزور مذمت کرتے ہیں اور مالک دو جہاں سے دُعا کرتے ہیں کہ اس شہید مظلوم کے ناحق خون کے صدقے اس شجرۂ خبیثہ کا جلد خاتمہ فرمائے۔

قارئین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہمارے ساتھ آپ بھی اس رسالہ کو انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا بھر کے قارئین تک پہنچانے میں ہماری مدد فرمائیں۔ آپ اس سلسلہ میں دیگر علم دوست احباب کو اطلاع دے کر ان کو بھی اس رسالے سے استفادہ کرنے کی ترغیب دلائیں۔

ہم جناب قبلہ مولانا سیّد ریاض حسین صفوی صاحب کی بھی عرق ریزی پر ان کے شکر گزار ہیں کہ جن کی زحمات کی وجہ سے یہ رسالہ تدوین کے مختلف مراحل سے گزر کر آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

ہمیشہ کی طرح ہمیں قارئین محترم اور علمائے کرام اور خاص طور پر آنلائن قارئین کے مفید اور قیمتی مشوروں نیز آراء وتجاویز کا انتظار رہے گا۔ شکریہ!

والسلام

جعفر علی نجم

(30/دسمبر 2015ء)

*****

عید میلاد النبیؐ اور ولادت باسعادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے موقع پر حکومتی اعلیٰ شخصیات اور بین الاقوامی وحدت کانفرنس کے شرکاء سے

رہبر معظم حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای مدظلہ العالی کا خطاب[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبی کریم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت با سعادت اور آپ کے فرزند گرامی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت با سعادت کی مناسبت سے اس جلسے میں موجود تمام محترم حاضرین، ہفتہ وحدت کے اجلاس میں شریک عزیز مہمانوں، اسلامی ممالک کے سفیروں اور ملک کے ان جملہ عہدیداروں کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں جن کے دوش پر امور مملکت کی بھاری ذمہ داریاں عائد ہیں۔ اسی طرح پوری ایرانی قوم، دنیا بھر کے مسلمانوں بلکہ ساری دنیا کے حریت پسند انسانوں کو اس موقع کی مناسبت سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

یہ ولادت باسعادت ان برکتوں کا سرچشمہ ہے جو ان صدیوں کے دوران تمام انسانیت کیلئے نازل ہوتی رہی ہیں اور جن سے قومیں، دنیا کے انسان اور ساری انسانیت بلند ترین انسانی، فکری اور معنوی منزلوں، اعلیٰ ترین تمدن اور تابناک مستقبل تک رسائی کے قابل ہوئی ہے۔

اس عظیم میلاد کے موقع پر عالم اسلام اور اسلامی سماج کیلئے جو چیز اساسی اور کلیدی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلامی دنیا سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقعات پر توجہ دی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقعات کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش اور جدوجہد کی جانی چاہیے۔ عالم اسلام کی سعادت وخوشبختی اسی میں ہے۔ اسلام، انسان کیلئے حریت وآزادی کا ہدیہ اور سوغات لیکر آیا ہے۔ ظالم وجائر نظاموں کی طرف سے

---

[1] یہ خطاب 19 اگست 2014ء کو ہفتہ وحدت کے موقع پر تہران میں کیا گیا۔ (بشکریہ از: www.khamenei.ir)

انسانی طبقات پر ہونے والے مظالم سے آزادی دلانے اور انسانوں کیلئے عدل و مساوات پر استوار حکومت کی تشکیل کیلئے بھی آیا اور انسانی زندگی پر حکم فرما ان توہمات اور غلط نظریات سے معاشرے کو نجات دلانے کیلئے بھی آیا جنہوں نے انسانی زندگی کو اس کی اپنی مصلحت اور فلاح و بہبود کے منافی سمت میں موڑ دیا تھا۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اسلام کے ظہور کے ایام میں انسانوں کی زندگی کو فتنوں کے نرغے میں محصور زندگی سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

فِیْ فِتَنٍ دَاسَتْهُمْ بِأَخْفَافِهَا وَ وَطِئَتْهُمْ بِأَظْلَافِهَا۔

(اس وقت) فتنہ یعنی ایسی غبار آلود فضا اور تاریک ماحول تھا جس میں انسانی آنکھوں کو کچھ بھی دکھائی نہ دے رہا ہو۔[1]

یعنی ایسی صورت حال کہ انسان راستہ نہ دیکھ پا رہا ہو، اپنی بھلائی اور برائی بھی سمجھ نہ پا رہا ہو، یہ ان لوگوں کی حالت تھی جو اس کٹھن اور سخت دور میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس زمانے کے بڑے ملکوں میں اور بڑی تہذیبوں میں بھی کچھ حکومتیں تھیں، قومیں تھیں، لیکن وہاں تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہی حالات تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ اسلام کے ظہور کے زمانے میں جزیرۃ العرب میں بسنے والے عوام ہی بدقسمتی و نگوں بختی کا شکار تھے اور بقیہ قوموں کے حالات اچھے تھے۔ ظالم و جائر حکومتوں کے تسلط، انسان و انسانیت کی توہین اور کشور گشائی کیلئے بڑی طاقتوں کے درمیان ہونے والی تباہ کن جنگوں نے لوگوں کی زندگی تباہ و برباد کر کے رکھ دی تھی۔

تاریخ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کی دو معروف حکومتیں، یعنی ایران کی ساسانی حکومت اور روم کی شہنشاہیت کے دور میں ان دونوں حکومتوں کے حدود اور قلمرو میں بسنے والے لوگوں کی زندگی ایسے ابتر حالات میں گزر رہی تھی کہ اس کے تصور سے ہی دل کانپ اٹھتا ہے۔ لوگ بے حد دردناک زندگی گزار رہے تھے، قیدیوں جیسی زندگی بسر کرتے تھے۔ اسلام نے آکر انسانوں کو حریت اور آزادی کا درس دیا۔ یہ آزادی سب سے پہلے انسان کے دل میں اور انسان کی روح کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان آزادی کی لذت و فرحت کا احساس کر لیتا ہے، زنجیروں کے ٹوٹ جانے کا احساس کر لیتا ہے

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ دوّم۔

تو پھر اس کی توانائیاں اسی احساس سے متاثر ہوتی ہیں، ایسے میں اگر وہ ہمت سے کام لے اور آگے بڑھے تو پھر یہ ذہنی آزادی خارجی اور باہر کی دنیا کی آزادی کا راستہ بھی صاف کر دیتی ہے۔ اسلام نے انسانوں کیلئے یہی کام انجام دیا۔ آج بھی اسلام ساری دنیائے اسلام بلکہ پورے عالم انسانیت کو یہی پیغام دے رہا ہے۔

بشر کی آزادی کے دشمن انسانوں کے ذہن و دل سے آزادی کا تصور مٹا دینے کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔ اگر فکر و نظر آزاد نہ ہو تو پھر حریت کی جانب پیش قدمی کا عمل سست روی کا شکار رہے گا بلکہ عین ممکن ہے کہ بالکل ختم ہی ہو جائے۔ آج ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ خود کو اس آزادی کی منزل تک پہنچائیں جو اسلام کی پسندیدہ آزادی ہے۔ مسلم اقوام کی خود مختاری، تمام عالم اسلام میں عوام کی منتخب کردہ حکومتوں کی تشکیل، فیصلہ سازی کے عمل میں اور مستقبل کے تعین کے اقدامات میں عوام کی بھرپور شراکت اور اسلامی شریعت کی بنیاد پر ہر عمل کی انجام دہی وہ راستہ ہے جو قوموں کو آزادی دلا سکتا ہے۔

یقینی طور پر آج مسلم اقوام کو اس بات کا اچھی طرح احساس ہے کہ انہیں یہ عمل انجام دینے کی ضرورت ہے۔ پورے عالم اسلام میں یہ فکر اور یہ جذبہ موجزن ہے اور بیشک یہ جذبہ سرانجام اپنی منزل تک ضرور پہنچے گا۔ اگر قوموں کے دانشور اور اہم شخصیات خواہ ان کا تعلق سیاسی شعبہ سے ہو یا علمی و دینی حلقوں سے، اپنا فریضہ کما حقہ انجام دیں تو دنیائے اسلام کا مستقبل یقینی طور پر سنور جائے گا۔ اس سنہرے مستقبل کے سلسلے میں قوی امید پائی جاتی ہے۔ آج عالم اسلام اپنے اندر بیداری کی انگڑائیاں دیکھ رہا ہے اور یہی وہ موقع ہے کہ جب دشمنان اسلام، وہ لوگ جو اسلامی بیداری کے دشمن ہیں، جو قوموں کی خود مختاری کے مخالف ہیں، ملکوں میں دین خدا کی حکمرانی کی فکر سے خائف ہیں، میدان میں اتر پڑتے ہیں، اسلامی معاشروں کو الجھائے رکھنے کیلئے گوناگوں ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں جن میں سب سے کلیدی ہتھکنڈہ ان کے اندرونی اختلافات کو شعلہ ور کرنا ہے۔

سامراجی اور استعماری طاقتیں پینسٹھ سال سے، صیہونی حکومت کا وجود مسلم اقوام پر مسلط کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش انجام دے رہی ہیں، انہیں اس حکومت کا وجود تسلیم کرنے پر مجبور کر دینا چاہتی ہیں، لیکن اب تک انہیں ناکامی ہی ہاتھ لگی ہے۔ ہمیں ان چند ملکوں اور حکومتوں پر نہیں جانا چاہیے جو اپنے اسلام دشمن

بیرونی دوستوں کے مفادات کی حفاظت کیلئے، خود اپنے قومی مفادات کو اور اسلامی مفادات کو نظر انداز کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ مسلمان قومیں صیہونیوں کے وجود کی مخالف ہیں۔ پینسٹھ سال سے استکباری قوتیں فلسطین کا نام ذہنوں سے مٹا دینے کیلئے کوشاں ہیں، لیکن انہیں تا حال کامیابی نہیں ملی ہے۔

حالیہ کچھ برسوں میں، تینتیس روزہ لبنان کی جنگ، بائیس روزہ غزہ کی جنگ اور دوبارہ آٹھ روزہ غزہ کی جنگ میں امت اسلامیہ نے ثابت کر دیا کہ اس کے وجود میں جوش و جذبہ موجود ہے اور وہ مغربی طاقتوں اور خاص طور پر امریکہ کی سرمایہ کاری اور منصوبہ بندی کے باوجود اپنا وجود اور اپنا تشخص قائم رکھنے میں کامیاب رہی اور عالم اسلام جعلی اور مسلط کردہ صیہونی نظام پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہوا۔ اس مدت کے دوران ظالم صیہونیوں کے آقاؤں، دوستوں اور اتحادیوں کو جنہوں نے اس ظالم و جرائم پیشہ حکومت کی حفاظت کیلئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا، ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ امت اسلامیہ نے ثابت کر دیا کہ اس نے مسئلہ فلسطین کو ہرگز فراموش نہیں کیا ہے۔ یہ بہت اہم چیز ہے۔

انہی حالات کو دیکھتے ہوئے دشمن کی ساری کوشش یہ ہے کہ امت مسلمہ کو کسی صورت سے مسئلہ فلسطین سے لاتعلق کر دے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ داخلی اختلافات سے ممکن ہے، خانہ جنگی سے ممکن ہے، اسلام کے نام پر، دین کے نام پر اور شریعت کے نام پر انتہا پسندی کی ترویج سے ممکن ہے۔ اس طرح ممکن ہے کہ ایک گروہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو، مسلمانوں کی اکثریت کو کافر قرار دے دے۔ عالم اسلام میں سر ابھارنے والی ان تکفیری تحریکوں کا وجود، استکبار کیلئے اور دشمنان عالم اسلام کیلئے منہ مانگی مراد ہے۔

یہ گروہ خبیث صیہونی حکومت کی طرف توجہ دینے کے بجائے، سب کی توجہ دیگر امور کی طرف موڑ رہا ہے۔ بالکل اس کے برخلاف سمت میں، جس کا حکم اسلام نے دیا ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾[1] کی تعلیم دی ہے۔ (یعنی) مسلمانوں کو چاہیے کہ دشمنان دین کے سلسلے میں سخت بن جائیں، ان کے مدمقابل ڈٹ جائیں، دباؤ میں نہ آئیں، آیت قرآنی میں واضح طور پر یہ بات کہی گئی ہے۔ آپس میں مہربان رہیں، متحد رہیں، ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے رہیں۔ اللہ کی رسی کو سب مضبوطی سے پکڑ لیں۔ یہ اسلام کا فرمان ہے۔ اس سب کے باوجود ایک گروہ نمودار ہوتا ہے اور مسلمانوں

---

[1] سورۂ فتح، آیت ۲۹۔

کو مسلم و کافر میں تقسیم کر دیتا ہے! کچھ لوگوں کو کافر قرار دیکر اپنے حملوں کا نشانہ بناتا ہے، مسلمانوں کو آپس میں دست و گریباں کر دیتا ہے! ایسے میں کہاں شک و شبہے کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ یہ تحریکیں اور ان کی پشت پناہی و مالی سرپرستی، انہیں ہتھیاروں کی فراہمی یہ سب کچھ استکباری طاقتوں کا کام ہے۔ یہ استکباری حکومتوں کی خبیث انٹیلی جنس ایجنسیوں کی کارستانی ہے؟ وہ سر جوڑ کر بیٹھتی ہیں اور اسی صورت حال کیلئے منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ عالم اسلام کو چاہیے کہ اس مسئلے پر توجہ دے۔ یہ بہت بڑا خطرہ ہے۔

بدقسمتی سے کچھ غافل مسلم حکومتیں ان اختلافات کو ہوا دیتی ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ان اختلافات کو ہوا دینے سے ایسی آگ بھڑکے گی جو خود ان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ یہی استکبار کا منصوبہ بھی ہے۔ مسلمانوں کا ایک گروہ دوسرے گروہ سے الجھ جائے، متصادم ہو جائے۔ اس فتنے کی جڑ وہ لوگ ہیں جو استکباری طاقتوں کے گماشتہ حکمرانوں کے پیسے استعمال کر رہے ہیں، عسکریت پسندوں کی مالی مدد کرتے ہیں، انہیں ہتھیار سپلائی کرتے ہیں۔ مختلف ملکوں میں لوگوں کو ایک دوسرے کی جان کا دشمن بنا رہے ہیں۔ گزشتہ تین چار سال کے دوران جب بعض مسلم اور عرب ممالک میں اسلامی بیداری کی لہر اٹھی ہے، یہ سازشیں اور تیز ہوگئی ہیں تا کہ اسلامی بیداری کی لہر دب کر اور نظر انداز ہو کر رہ جائے۔ اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو آپس میں لڑوا بھی رہی ہیں اور اپنے تشہیراتی و ابلاغیاتی اداروں کی مبالغہ آرائیوں کے ذریعے عالمی رائے عامہ کی نگاہ میں اسلام کی بے حد خوفناک تصویر پیش کرنے کی کوشش بھی کر رہی ہیں۔ جب ٹی وی چینلز کسی آدمی کو دکھاتے ہیں جو اسلام کا نام لیوا ہے اور ایک انسان کا جگر چبا رہا ہے اور کھا رہا ہے تو اس سے اسلام کے بارے میں کیا تصور پیدا ہوتا ہے؟ دشمنان اسلام نے اس کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی ہے۔ یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں جو یکبارگی وجود میں آگئی ہوں، یہ آنا فانا رونما ہو جانے والی باتیں نہیں ہیں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کیلئے مدتوں منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ ان ساری چیزوں کے پیچھے خاص سیاست کارفرما ہے، ان کے پیچھے سرمایہ کاری ہے اور خفیہ اداروں کی سرگرمیاں ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اتحاد مخالف اور اتحاد بین المسلمین سے متصادم ہر شے کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ یہ ہم سب کا نہایت اہم فریضہ ہے۔ یہ ذمہ داری شیعہ بھی اپنے دوش پر لیں اور اہل سنت بھی یہ ذمہ داری اٹھائیں۔ اسی طرح شیعہ اور سنی مذاہب کے اندر موجود مختلف مسلک اور مکاتب فکر بھی یہ ذمہ داری قبول کریں۔

وحدت و یکجہتی اور اتحاد سے مراد یہ ہے کہ اشتراکات کو بنیاد قرار دے کر کام کیا جائے۔ ہمارے پاس اشتراکات کی کمی نہیں ہے۔ مسلمانوں کے اشتراکات ان کے اختلافی مسائل سے کہیں زیادہ ہیں۔ پس انہی اشتراکات کو بنیاد قرار دینا چاہیے۔ اس سلسلے میں زیادہ ذمہ داری دانشوروں اور مفکرین کی ہے۔ خواہ ان کا تعلق سیاسی شعبہ سے ہو یا علمی و دینی شعبہ سے ہو۔ دنیائے اسلام کے علماء کو چاہیے کہ عوام الناس کو فرقہ وارانہ اور مسلکی اختلافات سے محتاط رہنے کی تلقین کریں۔ یونیورسٹیوں سے وابستہ دانشور اور اسکالر، اسٹوڈنٹس کے سامنے حقائق پیش کریں اور انہیں سمجھائیں کہ اس وقت عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ اور سب سے بڑی ضرورت اتحاد ہے۔ اہداف کے حصول کیلئے اتحاد، سیاسی خودمختاری حاصل کرنے کیلئے اتحاد، دینی جمہوریت کے قیام کے ہدف کیلئے اتحاد، اسلامی معاشروں میں احکام الٰہیہ کے نفاذ کا ہدف حاصل کرنے کیلئے اتحاد۔ وہ اسلامی معاشرہ جو آزادی کا پیغام دیتا ہے، وہ اسلام نوازی جو انسانوں کو عزت و شرف کا درس دیتی ہے۔ آج یہ ہمارا فریضہ ہے، یہ شرعی فریضہ ہے۔

سیاسی شخصیات کو بھی یہ بات ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ان کا وقار و اعتبار عوام اور قوموں کا مرہون منت ہے۔ دل کی گہرائیوں تک اسلامی معاشروں کے خلاف دشمنی اور معاندانہ جذبات رکھنے والوں کی مدد سے یہ وقار کبھی حاصل نہیں ہوگا۔ ایک زمانہ تھا جب ان تمام علاقوں میں استکباری طاقتوں کی حکمرانی تھی۔ امریکی پالیسیوں، اس سے قبل برطانیہ اور بعض دیگر یورپی ملکوں کے اشاروں پر کام ہوتا تھا۔ قومیں رفتہ رفتہ خود کو استکبار کے براہ راست تسلط کی زنجیر سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوئیں۔ اب استکباری طاقتیں براہ راست استعمار کے بجائے بالواسطہ طور پر سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی تسلط قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ البتہ دنیا کے بعض خطوں میں براہ راست تسلط کی کوشش بھی کر رہی ہیں۔ آپ افریقہ پر نظر ڈالئے۔ بعض یورپی ممالک چاہتے ہیں کہ وہی پرانہ قصہ پھر شروع ہو جائے۔

اسلامی بیداری راہ نجات ہے۔ آگاہی اور مسلم اقوام کے حالات و امور سے واقفیت راہ نجات ہے۔ مسلم اقوام کے پاس بے پناہ وسائل موجود ہیں۔ ان کے پاس انتہائی اہم اور حساس جغرافیائی محل وقوع ہے، گراں قدر تاریخی ورثہ ہے، بے مثال اقتصادی وسائل و ذخائر ہیں۔ اگر قومیں بیدار ہو جائیں اور اپنی

توانائیوں کو پہچان لیں، اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کا سہارا لیں، ایک دوسرے کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھائیں تو یہ علاقہ ایک درخشاں علاقہ بن جائے گا اور دنیائے اسلام عزت و شرف اور قائدانہ مقام حاصل کر لے گی۔ ان شاء اللہ! مستقبل میں یہ منزل ضرور حاصل ہوگی۔ اس کے آثار ابھی سے دکھائی دینے لگے ہیں۔ ایران میں اسلامی انقلاب کی فتح اور اس حساس علاقے میں اسلامی جمہوری نظام کا قیام اور اسلامی جمہوریہ کا روز افزوں استحکام اسی کے آثار ہیں۔

امریکہ سمیت تمام استکباری طاقتوں نے گزشتہ پینتیس سال سے اسلامی جمہوری نظام کے خلاف اور ایرانی قوم کے خلاف جو بھی کر سکتے تھے وہ انہوں نے انجام دیا، لیکن اس کے باوجود ایرانی قوم اور اسلامی جمہوری نظام کی طاقت روز بروز بڑھتی رہی ہے اور اس کی جڑیں مزید مضبوط و مستحکم اور گہرائی میں اترتی رہی ہیں اور اس کے اثر و رسوخ میں بھی مزید اضافہ ہوا ہے۔ ان شاء اللہ! یہ استحکام اور یہ قوت اور بھی بڑھے گی۔ عالم اسلام میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ نسلوں کی علمی سطح میں اضافہ ہوا ہے، اسلام اور اسلام کے مستقبل کے سلسلے میں ان کے علم میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ بعض جگہوں پر آگاہی کی یہ سطح ماضی کی نسبت بہت زیادہ اور بڑی وسیع ہے۔ البتہ دشمن اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں تاہم اگر ہم غور و خوض اور بغور جائزہ لیں تو مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ اسلامی لہر مسلسل آگے بڑھ رہی ہے۔

ہمارے عظیم الشان رہنما امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے ہمیں اس راستے سے آگاہ و آشنا بنایا، انہوں نے ہمیں سکھایا کہ کیسے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے، کیسے اللہ تعالیٰ سے نصرت و مدد طلب کرنی چاہیے اور مستقبل کے متعلق پرامید رہنا چاہیے۔ ہم اس راستے پر گامزن ہیں اور آئندہ بھی ہمارے قدم اسی راستے پر آگے بڑھیں گے۔ اسلام اور مسلمانوں کی فتح و کامیابی کی امید رکھتا ہوں اور اس تحریک کے شہیدوں کیلئے اللہ کی رحمت و مغفرت طلب کرتا ہوں اور آپ سے دُعاؤں کی امید کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

✲✲✲✲✲

قسط:13

شیعہ اسلامی عقائد
{امام شناسی}
بارہ اماموں کے مختصر حالات زندگی

از: علامہ سیّد محمد حسین طباطبائیؒ

پہلے امام: حضرت امام علی علیہ السلام کی زندگی پر اجمالی نظر

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پہلے امام ہیں۔ آپؑ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو بنی ہاشم خاندان کے معتبر فرد تھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا بھی تھے جنہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زیر سرپرستی لے کر اپنے گھر میں جگہ دی اور ان کی دیکھ بھال اور پرورش کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ جب تک زندہ رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کرتے ہوئے عرب کفار اور خاص کر قریش کے حملوں اور شرارتوں سے آپ کو محفوظ رکھا۔

حضرت علی علیہ السلام کی ولادت باسعادت (مشہور قول کے مطابق) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے دس سال پہلے ہوئی۔ ابھی آپؑ چھ سال کے ہی تھے کہ شہر مکہ اور گرد و نواح میں سخت قحط پڑا، اس لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق آپؑ اپنے آبائی گھر سے اپنے چچازاد بھائی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر تشریف لے گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی براہ راست سرپرستی میں پرورش پاتے رہے۔

چند سال بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت عطا ہوئی اور پہلی بار غار حرا میں آپؐ پر آسمانی وحی نازل ہوئی۔ آپؐ غار حرا سے شہر اور گھر کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں حضرت علی علیہ السلام سے تمام واقعہ بیان کیا تو حضرت علی علیہ السلام فوراً آپؐ پر ایمان لے آئے۔

اس کے بعد پھر جب پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو جمع کر کے دین مبین کی دعوت دی تو اس وقت پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سب سے پہلے میری دعوت دین کو قبول کرے گا، وہی میرا خلیفہ، وصی اور وزیر ہوگا''۔ چنانچہ جو شخص سب سے پہلے اپنی جگہ سے اٹھا اور بآواز بلند ایمان لایا وہ حضرت علی علیہ السلام ہی تھے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی ان کے ایمان کو قبول کر لیا اور ان کے بارے میں اپنے وعدے پورے کئے۔[1]

اس لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور پیغمبر اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ہرگز خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی اور کی پرستش اور عبادت نہیں کی۔

حضرت علی علیہ السلام ہمیشہ پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی، اس رات بھی جبکہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کے مکان کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور پختہ ارادہ کئے ہوئے تھے کہ رات کے آخری حصے میں آنحضرت ﷺ کے گھر میں داخل ہو کر آپؐ کو بستر مبارک پر ہی قتل کر دیں گے تو حضرت علی علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے بستر مبارک پر سو گئے اور آپؐ گھر سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھر حضرت علی علیہ السلام بھی آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق لوگوں کی امانتیں ان کے مالکوں کو واپس لوٹا کر اپنی والدہ ماجدہ، پیغمبر اکرم ﷺ کی بیٹی (حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا) اور گھر کی دوسری عورتوں کو ساتھ لے کر مدینہ روانہ ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں بھی آپؑ ہمیشہ پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ رہے اور آنحضرت ﷺ کبھی بھی علی علیہ السلام کو اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے۔ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی آپؐ نے ان کے ساتھ کر دی تھی۔ اسی طرح جب آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب کے درمیان اخوت و برادری کا رشتہ قائم کیا تو حضرت علی علیہ السلام کو اپنا بھائی قرار دیا۔

---

[1] ارشاد مفید، ینابیع المودۃ۔

حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام جنگوں میں شرکت کی اور ہر جنگ میں حاضر رہے سوائے جنگ تبوک کے، کیونکہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مدینہ میں اپنی جگہ قائم مقام کے طور پر مقرر فرمایا تھا۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام نہ تو کبھی کسی جنگ میں پیچھے رہے اور نہ ہی کبھی کسی دشمن سے شکست کھائی اور نہ ہی کسی کام میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَ الْحَقُّ مَعَهُ. لَا یَفْتَرِقَانِ۔

علیؑ حق سے جدا نہیں ہے اور حق علیؑ سے جدا نہیں ہے۔[1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے وقت آپؑ کی عمر تینتیس (۳۳) سال تھی۔ اگر چہ آپؑ تمام فضائل دینی میں سے سب سے بڑھ کر تھے اور تمام اصحابؓ کے درمیان ممتاز تھے پھر بھی اس بہانے سے کہ آپؑ جوان ہیں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چونکہ جنگوں میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور سب سے آگے ہوتے تھے اور ان جنگوں میں خونریزی کی وجہ سے لوگ آپؑ کے مخالف اور دشمن ہو گئے تھے، آپؑ کو خلافت سے الگ کر دیا گیا اور اس طرح آپؑ عمومی کاموں میں حصہ نہ لے سکے اور گھر میں گوشہ نشین ہو کر اشخاص کی تربیت کرنے لگے۔ آپؑ پچیس سال تک یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد تین خلفاء کی خلافت کے زمانے میں حکومت اور خلافت سے بالکل الگ تھلگ رہے تھے اور خلیفہ سوم کے قتل کے بعد عوام نے آپؑ کو خلیفہ منتخب کر کے آپؑ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے زمانۂ خلافت میں جو تقریباً چار سال نو مہینے جاری رہا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور روش پر عمل پیرا رہے۔ آپؑ نے اپنی خلافت کو ایک تحریک یا انقلاب میں تبدیل کر دیا اور اس کے ساتھ اصلاحات بھی شروع کیں لیکن چونکہ یہ اصلاحات بعض مفاد پرست لوگوں کے نقصان میں تھیں اس لئے بعض اصحاب پیغمبر نے جن میں آگے آگے حضرت عائشہؓ، طلحہ، زبیر اور معاویہ تھے، خلیفہ سوم کے خون کو بہانہ بنا کر آپؑ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور اس طرح انہوں نے شورش، بغاوت اور نافرمانی شروع کر دی۔

---

[1] ینابیع المودۃ، غایت المرام۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس فتنے کو فرو کرنے کیلئے اُمّ المومنین عائشہؓ، طلحہ اور زبیر کے ساتھ بصرہ کے نزدیک جنگ کی جو "جنگ جمل" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک دوسری جنگ معاویہ کے ساتھ عراق اور شام کی سرحد پر لڑی جس کو "جنگِ صفین" کہا جاتا ہے۔ یہ جنگ ڈیڑھ سال تک جاری رہی۔ اسی طرح ایک اور جنگ نہروان کے علاقے میں خوارج کے ساتھ کی جس کو "جنگِ نہروان" کہتے ہیں۔ آپؑ کے زمانۂ خلافت میں زیادہ وقت داخلی شورشوں اور فتنوں کو فرو کرنے میں گزرا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد ماہ رمضان کی انیس تاریخ کی صبح سن ۴۰ ہجری میں مسجد کوفہ میں نماز پڑھتے ہوئے شکست خوردہ خوارج کے ایک فرد ابن ملجم مرادی کے ہاتھوں آپؑ کے سر پر کاری زخم لگا اور آپؑ اکیس ماہ رمضان کی رات شہادت پا گئے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام تاریخ کی گواہی اور دوست و دشمن کے اعتراف و قول کے مطابق انسانی کمالات میں بالکل بے عیب تھے۔ اسی طرح فضائل اسلامی میں بھی آپؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا بہترین نمونہ تھے۔ آپؑ کی شخصیت کے بارے میں جو بحثیں ہوئی ہیں اور ان کے متعلق سنّی اور شیعہ حضرات اور دنیا کے محققین نے جس قدر کتابیں لکھی ہیں، اتنی کسی اور شخصیت کے بارے میں نہیں لکھی گئی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام علم و دانش میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور تمام مسلمانوں میں سب سے دانا اور عقلمند تھے۔ آپؑ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنے علمی بیانات میں آزاد عقلی استدلال اور دلیل و برہان کا راستہ کھولا اور معارف اسلامی میں فلسفیانہ بحث کو جاری کیا۔ نیز قرآن کریم کے باطن کے متعلق موضوعات کا بیان فرمایا۔ ان سب کے علاوہ قرآنی الفاظ کی حفاظت کیلئے آپؑ نے عربی زبان میں ایک گرامر بھی لکھی۔ آپ فن تقریر میں بھی اعلیٰ پایہ کی شخصیت رکھتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام شجاعت اور بہادری میں ضرب المثل تھے۔ ان تمام جنگوں میں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں لڑی گئیں یا آپؑ کے اپنے عہد خلافت میں ہوئیں، ان سب میں آپؑ نے کبھی بھی خوف و وحشت اور اضطراب کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ اگرچہ بارہا ان واقعات و حوادث سے جو جنگ اُحد، جنگ حنین، جنگ خیبر اور جنگ

خندق میں پیش آئے بعض مسلمانوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا یا ان میں سے بعض منتشر اور فرار ہو گئے تھے، لیکن ان تمام حالات میں آپؑ نے کبھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی اور کبھی ایسا بھی نہیں ہوا کہ کفار اور جنگی ناموروں میں سے کوئی آپؑ کے ساتھ مقابلہ کرے اور زندہ بچ جائے۔ دوسری جانب یہ بھی ثابت ہے کہ بہادری اور شجاعت کے باوجود آپؑ کسی کمزور کو قتل نہیں کرتے تھے اور میدان جنگ سے بھاگ جانے والوں کا پیچھا نہیں کرتے تھے اور نہ ہی شبخون مارتے اور نہ ہی دشمن پر پانی بند کرتے تھے۔

یہ امر تاریخی حقائق میں سے ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے جنگ خیبر میں ایک زبردست حملہ کیا اور قلعے کے دروازے کے حلقے میں ہاتھ ڈال کر ایک جھٹکے کے ساتھ قلعے کا دروازہ اکھاڑ کر دور پھینک دیا تھا۔

اسی طرح فتح مکہ کے دن جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوں کو توڑ دینے کا حکم صادر فرمایا تھا تو مکہ کا سب سے بڑا بت "ہبل" جو بہت بھاری اور بڑے پتھر سے بنا ہوا تھا اور کعبے کے عین اوپر نصب کیا گیا تھا، حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے آپؑ کے کندھوں پر کھڑے ہو کر کعبہ کی چھت پر چڑھے اور ہبل کو وہاں سے اکھاڑ کر نیچے پھینک دیا تھا۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام دینی تقویٰ اور خدا تعالیٰ کی عبادت میں بھی یگانہ روزگار تھے۔ جو لوگ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر حضرت علی علیہ السلام کی سختی کی شکایت کیا کرتے تھے، آپؐ ان سے فرماتے کہ علیؑ کا گلہ نہ کرو اور نہ ہی ان کو ملامت اور سرزنش کرو کیونکہ وہ خدا کا عاشق ہے۔[1]

ایک دفعہ صحابی رسول حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت علی علیہ السلام کو مدینے کے ایک نخلستان میں دیکھا کہ لکڑی کی طرح خشک پڑے ہوئے ہیں۔ وہ سمجھے کہ آپؑ کا انتقال ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ آپؑ کے گھر اطلاع دینے آئے اور آپؑ کی بیوی (دختر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا) کہ ساتھ افسوس اور تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں ان کے شوہر کی وفات کی خبر دی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی نے فرمایا: ''میرے چچا کے بیٹے کی وفات نہیں ہوئی بلکہ عبادت کے دوران خوف خدا سے ان پر غشی کی حالت طاری ہو گئی ہے اور اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے''۔

---

[1] مناقب آل ابی طالب، مناقب خوارزمی۔

حضرت علی علیہ السلام کی اپنے ماتحتوں کے ساتھ مہربانی، غریب اور بے کس لوگوں کے ساتھ ہمدردی، غریبوں اور فقیروں کے ساتھ کرم وسخاوت کی داستانیں زبان زد خاص وعام ہیں۔ آپؑ کے ہاتھ جو کچھ بھی آتا تھا اس کو خدا کی راہ میں غریبوں اور بے کس لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے تھے اور خود بڑی تنگی میں بہت ہی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ آپ کھیتی باڑی کو بے حد پسند کرتے تھے لیکن جس زمین کو آباد کرتے اس کو غریبوں اور فقیروں کیلئے وقف کر دیتے تھے۔ آپؑ کی وقف شدہ ملکیت کو "وقف علیؑ" کہا جاتا ہے۔ آپؑ کے آخری زمانے میں اس وقف شدہ ملکیت سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی تھی جو تقریباً چوبیس ہزار دینار سالانہ تھی۔

دوسرے امام: حضرت امام حسن علیہ السلام کی زندگی پر اجمالی نظر

حضرت امام حسن علیہ السلام اور آپؑ کے چھوٹے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت علی علیہ السلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزند تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا فرمایا تھا کہ حسنؑ وحسینؑ میرے بیٹے ہیں اسی وجہ سے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اپنے تمام بیٹوں سے فرمایا کرتے تھے: تم میرے بیٹے ہو اور امام حسن وامام حسین علیہما السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ہیں۔[1]

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ولادت ۳ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ آپؑ نے سات سال اور کچھ مہینے تک اپنے نانا (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا زمانہ دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش محبت میں پرورش پائی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی وفات سے تین یا چھ مہینے پہلے ہوئی، آپؑ اپنے والد ماجد کے زیر تربیت آ گئے تھے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اپنے والد گرامی کی شہادت کے بعد خدا کے حکم اور حضرت علی علیہ السلام کی وصیت کے مطابق امامت کے درجے پر فائز ہوئے اور ساتھ ساتھ ظاہری خلافت کے عہدیدار بھی بنے۔ تقریباً چھ ماہ تک آپؑ مسلمانوں کے خلیفہ رہے اور امور مملکت کا نظم ونسق سنبھالے رہے۔ اسی مدت میں

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب، ذخائر العقبیٰ۔

امیر شام نے جو حضرت علی علیہ السلام اور آپؑ کے خاندان کا سخت ترین دشمن تھا اور کئی سال سے خلافت کی حرص وخواہش دل میں لئے ہوئے تھا، امام حسن علیہ السلام کے سرکردہ فوجی جرنیلوں اور لاتعداد سپاہیوں کو بہت زیادہ پیسہ اور مستقبل کے جھوٹے وعدے دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور ان کو امام حسن علیہ السلام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیا تھا۔ یہ کافی عرصے سے اس موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے سب سے پہلے خلیفہ سوم کے خون کے بدلے کے بہانے اور آخر کار خلافت کا دعویدار ہونے کی وجہ سے کئی جنگیں بھی کی تھیں اور کئی بار عراق پر چڑھائی کی تھی جو اس زمانے میں امام حسن علیہ السلام کا دار الخلافہ تھا۔ امام علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے بھی جنگ شروع کر رکھی تھی۔

آخر کار حضرت امام حسن علیہ السلام صلح پر مجبور ہو کر اس شرط پر ظاہری خلافت سے دست بردار ہو گئے کہ معاویہ کے مرنے کے بعد خلافت دوبارہ امام حسن علیہ السلام کو واپس مل جائے گی اور اس کے ساتھ ہی ان کے خاندان اور ان کے طرفداروں (شیعوں) کیلئے کسی قسم کی مشکلات پیش نہ آئیں گی۔

امیر شام نے اسلامی خلافت پر قبضہ کر لیا اور عراق میں داخل ہو کر ایک عام سرکاری تقریر میں صلح کی شرائط کو منسوخ کر دیا۔ اس نے ہر ممکن ذریعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہلبیت علیہم السلام اور ان کے طرفداروں پر سختیاں شروع کر دیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنی امامت کے تمام عرصے میں جو کہ دس سال کا تھا، بہت ہی سیاسی گھٹن اور سختی میں زندگی گزاری۔ ان کیلئے یا ان کے خاندان حتی کہ ان کے گھر کے اندر بھی ان کیلئے جائے امن نہ تھی۔ آخر کار ۵۰ ہجری میں امیر شام کے اکسانے پر آپؑ کی بیوی (جعدہ بنت اشعث) نے آپؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام انسانی کمالات میں اپنے والد گرامی کا کامل نمونہ اور اپنے نانا بزرگوار کی نشانی تھے۔ جب تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ رہے آپؑ اور آپؑ کے بھائی (امام حسینؑ) ہمیشہ آنحضرتؐ کے پاس رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی ان کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا کرتے تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شیعہ سنی محدثین نے بہت زیادہ احادیث بیان کی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

حضرت امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

اِبْنَایَ هٰذَانِ اِمَامَانِ، قَامَا اَوْ قَعَدَا۔

میرے یہ دونوں بیٹے امام ہیں، خواہ وہ اٹھیں یا بیٹھیں۔[1]

یہ فرمان دراصل ظاہری خلافت کے عہدیدار ہونے یا نہ ہونے کا کنایہ ہے۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی آپؑ کے والد بزرگوار کی خلافت کے بعد آپؑ کی جانشینی کے بارے میں بھی بہت زیادہ احادیث موجود ہیں۔[2]

تیسرے امام: حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی پر اجمالی نظر

سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت علی علیہ السلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر نیک اختر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۴ ہجری میں ہوئی تھی۔ آپؑ اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد خدا کے حکم اور امام حسن علیہ السلام کی وصیت کے مطابق منصب امامت پر فائز ہوئے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے دس سال امامت کی اور اس تمام عرصے میں بہت ہی سخت حالات اور سیاسی گھٹن کی حالت میں زندگی گزاری، کیونکہ اس زمانے میں دینی اصول وقوانین کی حیثیت ختم ہوچکی تھی اور حکومتی قوانین واحکام، خدا اور رسولؐ کے احکام کی جگہ لے چکے تھے۔ ادھر امیر شام اور اس کے ساتھی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو نیست ونابود کرنے اور اسی طرح علی علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کا نام مٹانے کیلئے ہر قسم کے وسائل اور حیلوں حربوں کا بے دریغ استعمال کررہے تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام مجبوراً اس تاریک دور میں زندگی گزار رہے تھے اور ہر قسم کی سختیوں اور ذہنی اذیتوں کو جو امیر شام اور اس کے پیروکاروں کی طرف سے آپؑ پر وارد ہوتی تھیں، برداشت کررہے تھے، یہاں تک کہ ۶۰ ھ میں امیر شام فوت ہوگیا اور اس کا بیٹا یزید اس کی جگہ بادشاہ بن گیا۔

---

[1] مناقب شہر بن آشوب، ج ۳، ص ۳۶۷۔

[2] ارشاد شیخ مفیدؒ۔

بیعت کرنا ایک عربی رسم تھی جو اہم کاموں مثلاً سلطنت اور امارات میں جاری تھی اور ماتحت یا خاص کر مشہور لوگ اپنے سلطان، بادشاہ یا امیر کے ہاتھ پر بیعت کیا کرتے تھے اور اس طرح سے اپنی وفاداری، اطاعت اور موافقت کا اظہار کرتے تھے اور پھر بیعت کے بعد مخالفت کرنا قومی غداری اور شرمساری شمار کی جاتی تھی۔ یہ مخالفت ایک قطعی اور مضبوط معاہدے کی خلاف ورزی اور جرم کے مترادف تھی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں بھی مجموعی طور پر وہی بیعت قابل قبول ہوتی تھی جو پورے اختیار کے ساتھ اور کسی دباؤ کے بغیر ہو، نہ کہ بے اختیاری اور دباؤ کے ذریعے۔

امیر شام نے بھی قوم کے بڑے بڑے اور مشہور لوگوں سے یزید کیلئے بیعت حاصل کر لی تھی لیکن امام حسین علیہ السلام پر کسی قسم کا بیعت کا دباؤ نہیں ڈالا گیا تھا یا ان سے بیعت کیلئے نہیں کہا گیا تھا اور نہ ہی یزید کی بیعت امام حسین علیہ السلام کیلئے لازم قرار دی گئی تھی۔ اس نے یزید کو خصوصاً نصیحت اور وصیت کی تھی کہ اگر حسین ابن علی علیہما السلام تمہاری بیعت سے انکار کر دیں تو زیادہ اصرار نہ کرنا اور خاموشی اور چشم پوشی سے کام لینا، کیونکہ وہ اس مسئلے میں کافی تحقیق کر چکا تھا اور اس کام کے سخت نتائج کو اچھی طرح سے سمجھتا تھا، لیکن یزید اپنے غرور و تکبر اور دیدہ دلیری میں اپنے باپ کی نصیحت کو بھول چکا تھا اور اس نے اپنے باپ کی وفات کے فوراً بعد مدینے کے حاکم کو حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام سے اس کی بیعت لے ورنہ ان کا سر کاٹ کر شام بھیجا جائے۔

جب مدینے کے حاکم نے یزید کی خواہش کو امام حسین علیہ السلام کے سامنے بیان کیا تو امام حسین علیہ السلام نے اس پر غور کرنے کیلئے کچھ مہلت چاہی۔ اس کے بعد راتوں رات اپنے خاندان کے ساتھ مدینہ سے مکہ چلے آئے اور حرم کعبہ اور خانہ خدا میں جو روایتی پناہ گاہ تھی، پناہ گزیں ہو گئے۔ یہ واقعہ ۶۰ ہجری کو ماہ رجب کے آخر یا شعبان کے شروع میں پیش آیا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام چار مہینے تک شہر مکہ میں پناہ گزیں کے طور پر زندگی گزارتے رہے۔ ایک طرف تو وہ لوگ جو امیر شام کے زمانہ خلافت میں اس کے ظلم و ستم کی وجہ سے ناراض تھے اور پھر یزید کی خلافت نے ان کی ناراضگی میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا، امام حسین علیہ السلام سے ہمدردی کا اظہار کرتے

تھے اور دوسری طرف عراق خصوصاً شہر کوفہ سے یکے بعد دیگرے خطوط آرہے تھے جن میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو عراق آنے اور وہاں کے لوگوں کی قیادت سنبھالنے کی دعوت دی گئی تھی، تاکہ ظلم وستم کو ختم کرنے کیلئے انقلاب برپا کیا جائے، لیکن یہ واقعات یزید اور اس کی حکومت کیلئے سخت خطرہ تھے۔

مکہ معظمہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا قیام جاری تھا، یہاں تک کہ حج کا زمانہ آگیا اور دنیا کے مسلمان گروہ در گروہ اور جوق در جوق مکہ میں آنا شروع ہوگئے اور حج کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کو اطلاع ملی کہ یزید کے لوگوں کی ایک جماعت حاجیوں کی شکل میں مکہ میں داخل ہوگئی ہے جن کو مامور کیا گیا تھا کہ اپنے احرام کے نیچے چھپے ہوئے ہتھیاروں سے فریضۂ حج کے دوران حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا جائے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے حج کو عمرے میں تبدیل کرتے ہوئے وہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کیا۔ آپؑ نے لوگوں کی ایک جماعت کے سامنے مختصر سی تقریر کرتے ہوئے عراق کی جانب روانگی کی اطلاع دی۔ آپؑ نے اپنی شہادت کی خبر بھی دی اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں سے مدد کی درخواست بھی کی کہ اس اہم کام میں ان کی مدد کریں اور خدا کی راہ میں اپنا خون بہا دیں۔ اس سے اگلے دن آپؑ اپنے خاندان اور چند ساتھیوں کے ساتھ عراق کی طرف چل پڑے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ ہرگز یزید کی بیعت نہیں کریں گے اور یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ بیعت سے انکار کرنے کے بعد قتل ہو جائیں گے۔ آپؑ بخوبی جانتے تھے کہ بنی امیہ کی دہشت ناک جنگی فوج جو عمومی بدعنوانیوں اور فکری تنزل میں رچی بسی ہوئی ہے لازمی طور پر آپؑ کو شہید کر دے گی کیونکہ اس کی اپنی کوئی سوچ وفکر نہیں ہے بلکہ وہ یزید کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے اور پھر اہل عراق بھی اس کے حامی اور مددگار ہیں۔

بعض مشہور ومعروف افراد نے خیر خواہی اور ہمدردی کے طور پر آپؑ کا راستہ روک لیا اور آپؑ کو اس سفر اور تحریک کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا، لیکن آپؑ نے جواب میں فرمایا:

میں ہرگز بیعت نہیں کروں گا اور ظالم وستمگر حکومت کی تائید وتصدیق نہیں کروں گا۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جہاں کہیں جاؤں گا یا رہوں گا، مجھے قتل کر دیں گے۔
میرے مکہ معظّمہ کو خیر باد کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ میں ڈر یا خوف سے یہاں سے
بھاگ رہا ہوں، بلکہ میرے سامنے خانہ خدا کی حرمت کا خیال ہے تا کہ میرا
خون گرنے سے اس پاک گھر کی توہین اور بے حرمتی نہ ہو۔[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام کوفہ کی طرف چل پڑے۔ ابھی کوفہ پہنچنے میں چند دنوں کا فاصلہ تھا کہ آپؑ کو اطلاع ملی کہ کوفہ میں یزید کے حاکم نے آپؑ کے نمائندے (مسلم بن عقیلؑ) اور ایک دوسرے مشہور آدمی (ہانی بن عروہ) کو جو آپؑ کا طرفدار تھا قتل کر کے ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر شہر کے بازاروں اور گلیوں میں پھرایا ہے۔ اس نے شہر اور گرد و نواح میں پہرے بٹھا دئے ہیں اور دشمن کی ان گنت فوج آپؑ کے انتظار میں ہے۔ اس حالت میں شہید ہو جانے کے سوا اور کوئی چارہ یا راستہ نہیں تھا۔ اسی جگہ امام علیہ السلام نے پختہ عزم سے فیصلہ کر لیا اور بلا شک و شبہ اپنے قتل اور شہید ہو جانے کی اطلاع بھی سب کو دیدی تھی، لیکن اس کے باوجود آپؑ نے اپنا تاریخی سفر جاری رکھا۔

کوفہ سے تقریباً ستر کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بیابان تھا جس کو ''کربلا'' کہتے تھے۔ یہاں حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھی یزیدی فوج کے محاصرے میں آ گئے اور ان کو مجبوراً یہاں ٹھہرنا پڑا۔ یہ محاصرہ ہر روز تنگ سے تنگ تر ہوتا جا رہا تھا اور ساتھ ہی دشمن کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر کار حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے گنتی کے چند ساتھی یزید کی تیس ہزار فوج کے مکمل محاصرے میں آ گئے۔

ان چند دنوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے موقف پر سختی سے ڈٹے رہے اور ساتھ ہی اپنے ساتھیوں اور اصحاب کے بارے میں بھی فیصلہ کیا۔ آپؑ نے رات کے وقت اپنے ساتھیوں اور ہمراہیوں کو اپنے پاس بلا کر فرمایا:

ہمارے سامنے موت اور شہادت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہا۔ ان لوگوں کو

---

[1] ارشاد مفید۔

میرے سوا کسی اور کے ساتھ کوئی غرض اور واسطہ نہیں ہے۔ میں تم سے اپنی بیعت
واپس لیتا ہوں۔ تم میں سے جو شخص بھی چاہے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا
کر اس خطرناک بھنور سے اپنی جان بچا سکتا ہے۔

اس کے بعد آپؑ کے حکم سے روشنی گل کر دی گئی جب دوبارہ روشنی کی گئی تو دیکھا گیا کہ ایک فرد بھی اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں تھا۔

امام علیہ السلام نے دوسری بار ان کا امتحان لیتے ہوئے فرمایا:

دشمن صرف میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ تم میں سے جو بھی چاہے، رات کی تاریکی سے
فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مہلک خطرے سے اپنی جان بچا لے۔

اس دفعہ امام علیہ السلام کے وفادار اصحاب نے مختلف بیانات میں جواب دیئے۔ انہوں نے کہا:

ہم ہرگز حق کے اس راستے سے منہ نہیں پھیریں گے جس کے آپؑ امام اور رہبر
ہیں۔ ہم ہرگز آپؑ کے دامن پاک کو نہیں چھوڑیں گے اور جب تک ہمارے
بدنوں میں خون کی آخری رمق باقی ہے اور ہمارے ہاتھوں میں تلوار موجود ہے، ہم
آپ کی حفاظت کریں گے۔[1]

دشمن کی طرف سے نویں محرم کو حضرت امام حسین علیہ السلام کو "بیعت یا جنگ" کا آخری انتباہ دیا گیا۔ امام حسین علیہ السلام نے عبادت کیلئے ایک رات کی مہلت مانگی اور آنے والے کل کی جنگ کیلئے تیار ہو گئے۔

دس محرم الحرام ۶۱ ہجری کو حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے نہایت قلیل اصحاب کے ساتھ دشمن کے بے انتہا لشکر کے سامنے صف آرا ہو گئے اور اس طرح جنگ شروع ہو گئی۔

اس دن صبح سے لے کر شام تک جنگ جاری رہی۔ امام علیہ السلام، تمام ہاشمی جوان اور آپؑ کے باوفا اور جاں نثار اصحاب یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ شہید ہونے والوں میں امام حسن علیہ السلام کا ایک چھوٹا اور شیر خوار بچہ بھی شامل تھا۔

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب۔

دشمن کی فوج نے جنگ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے حرم کو لوٹ لیا اور خیموں کو آگ لگا دی۔ اس کے بعد شہیدوں کے سروں کو ان کے جسموں سے الگ کر کے نیزوں پر لگایا گیا اور لاشوں کو بے گور و کفن اِدھر اُدھر پھینک دیا۔ پھر اہل حرم نے جو کہ سبھی بے آسرا و بے وارث مستورات اور بچیاں تھیں، شہیدوں کے سروں ساتھ کوفہ کی طرف کوچ کیا۔ قیدیوں میں مرد بہت کم تھے۔ ان میں امام حسینؑ علیہ السلام کے فرزند امام زین العابدین علیہ السلام جو سخت بیمار تھے یعنی شیعوں کے چوتھے امام اور ان کے چار سالہ فرزند محمد بن علی (امام باقر علیہ السلام) جو بعد میں پانچویں امام ہوئے شامل تھے۔ قیدیوں کو کربلا سے کوفہ کی طرف لے جایا گیا۔ پھر کوفہ سے دمشق لے جا کر یزید کے دربار میں ان کو حاضر کیا گیا۔

واقعہ کربلا، حرم اہل بیت علیہم السلام کو شہر بہ شہر پھرانے اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور حضرت امام سجاد علیہ السلام کی تقاریر نے (جو انہوں نے کوفہ اور شام میں کی تھیں) بنو امیہ کی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا اور ذلیل و خوار کر دیا اور امیر شام کے پروپیگنڈوں کا اثر زائل کر دیا بلکہ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ یزید نے سب کے سامنے اپنے جرنیلوں اور ماموروں کے عمل سے بیزاری اور نفرت کا اظہار شروع کر دیا۔ کربلا کا واقعہ ایک اہم عنصر تھا جس کے فوری اثر نے بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور مذہب شیعہ کی بنیاد بہت مضبوط کر دی تھی۔ اس واقعہ کا فوری اثر یہ ہوا کہ انقلاب اور شورشیں شروع ہو گئیں اور ساتھ ہی خونریز جنگوں کا ایک طویل سلسلہ بھی شروع ہو گیا جو بارہ سال تک جاری رہا۔ جن لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شرکت کی تھی ان میں سے ایک شخص بھی انتقام سے نہیں بچ سکا۔

جو شخص امام حسین علیہ السلام کی زندگی، یزید کی حکومت کی تاریخ اور اس زمانے کے حالات و واقعات پر غور کرے اور تاریخ کے اس حصے میں تحقیق کرے، اس کیلئے کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہے گا کہ اس وقت امام حسین علیہ السلام کے سامنے صرف ایک یہی راستہ تھا اور وہ تھا شہادت کا راستہ۔ یزید کی بیعت کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اعلانیہ طور پر اسلام کے اصولوں کو پامال اور قربان کر دیا جائے اور یہ چیز امام حسین علیہ السلام کیلئے ہرگز قابل قبول نہ تھی کیونکہ یزید نہ صرف دین مقدس اسلام کے قوانین اور اصولوں کا کوئی احترام نہ

کرتا تھا بلکہ اسلام کے قوانین اور اصولوں کو پامال کرنے میں بھی بے باکانہ اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ اس کے برخلاف اس سے پہلے حکمراں اگرچہ اصولوں کی مخالفت کیا کرتے تھے مگر جو کچھ بھی کرتے دین کے پردے میں انجام دیتے تھے اور دینی امور کو ظاہری طور پر محترم شمار کیا کرتے تھے۔

جیسا کہ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ یہ دونوں امام (امام حسنؑ اور امام حسینؑ) مختلف نظریات رکھتے تھے یعنی امام حسن علیہ السلام صلح پسند تھے اور امام حسین علیہ السلام جنگ اور جہاد کو ترجیح دیتے تھے، کیونکہ ایک بھائی چالیس ہزار جنگی سپاہی رکھتے ہوئے بھی امیر شام کے ساتھ صلح کر لیتا ہے اور دوسرا بھائی صرف چالیس افراد کے ساتھ یزید کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیتا ہے، یہ بات بالکل بے جا اور بے بنیاد ہے۔

اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی امام حسین علیہ السلام جو ایک دن یزید کی بیعت پر آمادہ نہیں ہوئے تھے، اپنے بھائی امام حسن علیہ السلام کی طرح دس سال تک امیر شام کی حکومت میں زندگی گزارتے رہے (کہ وہ بھی دس سال تک امیر شام کی حکومت میں زندگی گزارتے رہے تھے) اور انہوں نے ہرگز مخالفت نہ کی تھی کیونکہ اگر اس وقت امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام امیر شام کے خلاف جنگ کرتے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ شہید ہو جاتے مگر اسلام کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔ اس لئے کہ امیر شام کی بظاہر حق بجانب سیاست کے مقابلے میں جو وہ اپنے آپ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی، کاتب وحی اور خال المومنین کے طور پر تعارف کراتا تھا لیکن دوسری طرف کسی قسم کے فریب سے بھی نہیں چوکتا تھا، بالکل کوئی اثر نہ ہوتا۔

اس کے علاوہ امیر شام اپنے کارندوں کے ذریعے ان دونوں اماموں کو قتل کروا سکتا تھا اور پھر ان کی سوگواری اور تعزیت کرتے ہوئے ان کا ظاہری انتقام لینے پر بھی آمادہ ہو جاتا جیسا کہ اس نے خلیفہ سوم کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا تھا۔

چوتھے امام: حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی پر اجمالی نظر

حضرت امام علی بن الحسین علیہما السلام (جن کے القاب ''زین العابدین'' اور ''سجاد'' ہیں) چوتھے امام ہیں۔ آپؑ تیسرے امام (حضرت امام حسین علیہ السلام) کے فرزند تھے اور ایرانی شہنشاہ یزدجرد کی بیٹی شہر بانو کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

آپؑ، امام سوم کے اکلوتے فرزند تھے جو کربلا میں زندہ بچ گئے تھے۔ آپؑ بھی اپنے والد کے ساتھ کربلا میں تشریف لائے تھے لیکن چونکہ سخت بیمار تھے اور ہتھیار اٹھانے اور جنگ میں شرکت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اسی لئے جہاد اور شہادت سے معذور رہ گئے تھے اور حرم کے قیدیوں کے ساتھ شام بھیج دئے گئے۔

قید کا زمانہ گزارنے کے بعد یزید کے حکم سے عوامی مخالفت کو نرم کرنے کیلئے آپؑ کو احترام کے ساتھ مدینے بھیج دیا گیا تھا مگر دوبارہ آپؑ کو اموی خلیفہ عبدالملک کے حکم سے پابہ زنجیر مدینہ سے شام لایا گیا لیکن کچھ عرصے بعد پھر مدینے تشریف لے آئے۔

چوتھے امامؑ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور اپنے گھر کے دروازے تمام لوگوں پر بند کر کے خدا کی عبادت میں مشغول ہو گئے اور اپنے خاص شیعوں مثلاً: ابوحمزہ ثمالی، ابوخالد کابلی اور ایسے ہی چند دوسرے افراد کے سوا کسی اور سے نہیں ملتے تھے۔ البتہ یہ خاص لوگ اپنے امامؑ سے جو تعلیمات حاصل کرتے تھے آپؑ کے پیروکاروں تک پہنچا دیتے تھے اور اس طرح مذہب شیعہ روز بروز ترقی کرتا گیا جس کے بیشتر اثرات پانچویں امامؑ کے زمانے میں رونما ہوئے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی دُعاؤں کی ایک کتاب "صحیفہ سجادیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ستاون (۵۷) دُعاؤں پر مشتمل ہے جن میں بہت ہی عمیق اسرار و معارف الٰہی پوشیدہ ہیں۔ اس مجموعے کو "زبور آل محمد علیہم السلام" بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو پینتیس سال کی امامت کے بعد بعض احادیث کے مطابق اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی ایما پر ولید بن عبدالملک نے زہر دے دیا اور آپؑ ۹۵ ہجری میں شہادت پا گئے۔

پانچویں امام: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی پر اجمالی نظر

حضرت امام محمد بن علی (باقر) علیہما السلام پانچویں امام ہیں۔ ''باقر'' کے معنی ہیں چیرنے پھاڑنے والا یعنی علم کو چیر کر تحقیق کرنے والا۔ یہ لقب آپؑ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عطا ہوا تھا۔

آپؑ چوتھے امام کے بیٹے ہیں۔آپؑ کی ولادت باسعادت ۵۷ ہجری میں ہوئی۔واقعہ کربلا میں آپؑ کی عمر تقریباً پانچ سال تھی۔آپؑ اس جنگ میں موجود تھے۔آپؑ اپنے والد ماجد کے بعد خدا کے حکم اور اپنے آبا و اجداد کے تعارف سے منصب امامت پر فائز ہوئے اور ۱۱۴ھ یا ۱۱۷ھ میں ابراہیم بن عبدالملک اموی خلیفہ کے بھتیجے نے آپؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔

پانچویں امام کے زمانہ امامت میں ایک طرف تو بنی امیہ کے مظالم کی وجہ سے اسلامی ممالک میں ہر روز انقلاب اور جنگیں رونما ہوتی رہتی تھیں اور دوسری طرف خود اموی خاندان میں اختلاف پیدا ہو رہے تھے۔ان مشکلات نے خلافت اور حکومت کو اپنی طرف مشغول کر رکھا تھا جس کی وجہ سے ایک حد تک وہ اہل بیت علیہم السلام پر ظلم کرنے سے باز رہے۔

دوسری طرف واقعہ کربلا اور اہل بیت علیہم السلام کی مظلومیت جس کی منہ بولتی تصویر امام چہارم تھے، ایسے امور تھے جو مسلمانوں کو اہل بیت علیہم السلام کا گرویدہ بنا رہے تھے۔ان حالات وعوامل کی وجہ سے عوام خصوصاً شیعہ ایک سیلاب کی مانند حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس مدینہ منورہ میں پہنچ کر اسلامی حقائق اور تعلیمات اہلبیت علیہم السلام حاصل کرنے میں پیش پیش تھے اور آپؑ کے پاس لوگوں کا اس قدر مجمع لگا رہتا تھا کہ آپؑ سے پہلے ائمہ اہلبیت علیہم السلام کو ایسا موقع میسر نہ آسکا تھا۔اس دعوے کا ثبوت وہ بے شمار احادیث وروایات ہیں جو امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل اور روایت ہوئی ہیں۔آپؑ کے بہت سے اصحاب شیعہ دانشور اور رجال علم تھے جو آپؑ سے مختلف علوم میں فیض یاب ہوئے اور آپؑ کے معارف اسلامی کے مکتب میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ان کے نام آج بھی تراجم اور رجال کی کتابوں میں درج ہیں۔

چھٹے امام: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی پر اجمالی نظر

حضرت امام جعفر بن محمد (صادق) علیہما السلام پانچویں امام کے فرزند ہیں جو ۸۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ ہجری میں عباسی خلیفہ منصور کی ایما پر آپؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔

چھٹے امام کے عہد خلافت میں اسلامی ممالک میں انقلابات کی وجہ سے اور خاص طور پر اس تحریک کی وجہ سے جو مسوّدہ (سیاہ پوشوں) نے بنو امیہ کی خلافت کو ختم کرنے کیلئے چلائی تھی اور وہ خونریز جنگیں جو

بنوامیہ کی خلافت کوختم کرنے کا باعث ہوئیں اور جن کی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے بیس سالہ عہد امامت میں اسلامی حقائق بیان کرنے اور اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کو عام کرنے کا بہترین موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ یہ دینی تعلیمات کے فروغ اور نشر و اشاعت کا بہترین موقع تھا جو چھٹے امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو میسر ہوا تھا۔

آپؑ نے اپنی امامت کے آخری زمانے تک جو بنوامیہ کی خلافت کے خاتمے اور بنوعباس کی خلافت کے آغاز کا زمانہ تھا، اس فرصت سے خوب فائدہ اٹھایا اور دینی تعلیم وتبلیغ میں مشغول رہے۔ آپؑ نے مختلف عقلی ونقلی علوم وفنون میں بہت سی علمی شخصیتیں پیدا کیں مثلاً: زرارہ، محمد بن مسلم، مومن طاق، ہشام بن حکم، ابان بن تغلب، ہشام بن سالم، حریز، ہشام کلبی نسابہ، جابر بن حیان وغیرہ۔ آپؑ نے انہیں مختلف علوم وفنون سے فیض یاب کیا۔ علاوہ ازیں مذہب شیعہ کے علاوہ دیگر مسالک کے دانشوروں مثلاً: سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ (حنفی مذہب کے بانی)، قاضی سکونی، قاضی ابوالبختری وغیرہ کو بھی آپؑ کی شاگردی کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ مشہور ہے کہ امام ششم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مکتب علم اور محفل درس سے چار ہزار دانشور اور محدث پیدا ہوئے۔

وہ احادیث جو "صادقین" یعنی امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے نقل ہوئی ہیں ان تمام احادیث کے برابر ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے دس آئمہ علیہم السلام سے نقل ہوئی ہیں، بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔

آپؑ اپنے آخری دور میں عباسی خلیفہ منصور کے مظالم سے دوچار ہو گئے تھے۔ آپؑ پر پابندی اور نظر بندی عائد کر دی گئی۔ آپؑ کو آزار و شکنجے بھی دیئے گئے اور اس کے ساتھ ہی علوی سادات کا اس قدر قتل عام کیا گیا کہ بنی امیہ کی سفاکی اور ظلم وستم کی داستانیں فراموش ہو گئیں۔ عباسی خلیفہ منصور کے حکم سے ان کے پیروکاروں کو گروہ در گروہ پکڑ کر جیلوں اور کال کوٹھریوں میں بند کر دیا جاتا تھا اور بے پناہ اذیتیں دے کر قتل کر دیا جاتا تھا، بعض لوگوں کی گردنیں اڑا دی جاتی تھیں، بعض کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا اور بعض کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا جاتا تھا۔

عباسی خلیفہ منصور نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو گرفتار کرنے کیلئے حکم جاری کیا۔ آپؑ اس سے پہلے بھی ایک بار عباسی خلیفہ سفاح کے حکم سے گرفتار کر کے عراق بھیجے گئے تھے اور اس سے پہلے پانچویں امام کی زندگی میں اموی خلیفہ ہشام کے حکم سے آپؑ کو دمشق میں گرفتار کیا گیا تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کچھ مدت تک نظر بند رہے اور کئی بار آپؑ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا اور آپؑ کی توہین کی گئی لیکن آخر کار آپؑ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی گئی اور امام علیہ السلام واپس مدینہ تشریف لے گئے اور باقی تمام عمر خاموشی سے گوشہ نشینی میں گزار دی، یہاں تک کہ منصور کی چالبازی سے آپؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کی خبر سنتے ہی عباسی خلیفہ منصور نے مدینہ کے والی کو حکم دیا کہ آپؑ کے وارثوں پر مہربانی کے بہانے امام علیہ السلام کے گھر جائے اور آپؑ کے وصیت نامے کو لے کر پڑھے اور جس کسی کو آپؑ کا وصی یا جانشین بنایا گیا ہو اس کی فوراً گردن اتار دی جائے۔ اس حکم سے منصور کا مطلب یہ تھا کہ امامت کے سلسلے کو ختم کر دیا جائے اور شیعہ مذہب کی آواز کو مکمل طور پر خاموش کر دیا جائے لیکن حاکم نے وصیت نامہ پڑھا تو منصور کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اس لئے کہ امام علیہ السلام نے پانچ افراد کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا جن میں: ۱۔ خود خلیفہ (منصور عباسی)، ۲۔ مدینے کا والی، ۳۔ عبداللہ افطح امام کے بڑے فرزند، ۴۔ امام کے چھوٹے فرزند موسیٰ علیہ السلام، ۵۔ امام کی بیوہ حمیدہ خاتون شامل تھے۔

(جاری ہے)

✲✲✲✲✲

دوسری قسط:

تاریکیوں سے ''نور'' کی طرف سفر

(''نور''، قرآن کریم کے نقطہ نظر سے)

حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ محمد علی شمالی

ہم نے گزشتہ قسط میں واضح کیا کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں خود کو آسمانوں اور زمین کا ''نور'' قرار دیا ہے[1]۔ اسی طرح ہم نے یہ بھی بتایا ہے کہ جو چیز بھی پروردگار کی طرف سے خلق ہوئی ہے، اس میں نور اور روشنائی موجود ہے اور دونوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ کائنات میں موجود نور کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ نور جو مخلوق ہے۔

۲۔ پروردگار عالم کا نور جو دوسرے تمام انوار کا خالق ہے۔ یہ نور بے انتہا اور کامل ہے اور اس میں کسی قسم کی بھی تاریکی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا[2]۔ اس کامل اور اکمل نور سے جتنے درجے نیچے اور دور کی طرف جائیں اسی قدر نور اور روشنائی ضعیف سے ضعیف تر اور کم سے کم تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایک اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے ان میں تاریکی بڑھتی جا رہی ہے۔ یعنی جب ہم کامل و اکمل نور کے اعلیٰ مرتبے و درجے سے نیچے اور ادنیٰ درجوں کی جانب سفر کرتے ہیں تو اس کے سب سے ادنیٰ درجے میں تاریکی اور ظلمت اپنے عروج پر اور نور اپنی کمترین سطح پر پہنچ جاتا ہے۔ البتہ کوئی چیز بھی اپنی خلقت میں مکمل طور پر تاریک نہیں ہوتی۔ یہ بات قرآن کریم سے سمجھی جا سکتی ہے اور اس سلسلہ میں ہماری احادیث اور دُعاؤں میں بھی کئی حوالے موجود ہیں۔

---

[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾: ''اللہ، آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔'' (سورۂ نور، آیت ۳۵)

[2] گزشتہ قسط میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ تاریکی کی بذات خود کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ فقط نور کے فقدان اور عدم سے عبارت ہے۔

دُعاؤں میں نورِ خدا کی تصویر کشی

مشہور و معروف دُعائے جوشن کبیر ایک سو بند پر مشتمل ہے اور اس کا ہر حصہ اللہ تعالیٰ کے دس اسمائے حسنیٰ پر مشتمل ہے[1]۔ اس کا ۷۴واں بند اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے گرامی پر مشتمل ہے جو سب کے سب نور کے متعلق ہیں۔ اس بند میں ارشاد ہے:

يَا نُوْرَ النُّوْرِ، يَا مُنَوِّرَ النُّوْرِ، يَا خَالِقَ النُّوْرِ، يَا مُدَبِّرَ النُّوْرِ، يَا مُقَدِّرَ النُّوْرِ، يَا نُوْرَ كُلِّ نُوْرٍ، يَا نُوْرًا قَبْلَ كُلِّ نُوْرٍ، يَا نُوْرًا بَعْدَ كُلِّ نُوْرٍ، يَا نُوْرًا فَوْقَ كُلِّ نُوْرٍ، يَا نُوْرًا لَّيْسَ كَمِثْلِهٖ نُوْرٌ۔

اے وہ ذات کہ جو سب انوار کا نور ہے، اے نور کے روشن کرنے والے، اے نور کے خالق، اے نور کے مدبر، اے نور کی تقدیر کرنے والے، اے ہر نور کے نور، اے ہر نور سے پہلے نور، اے ہر نور کے بعد نور، اے ہر نور سے بلند نور، اے وہ نور کہ جس کے مثل کوئی نور نہیں۔[2]

آیئے ان دس اسماء کے بارے میں مختصر بحث کرتے ہیں:

(۱) يَا نُوْرَ النُّوْرِ، :''اے وہ ذات کہ جو سب انوار کا نور ہے''۔

سابق نے نور ایجاد کیا اور لاحق نے بھی نور ایجاد کیا ہے، لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ پروردگار وہ نور ہے کہ جو باقی تمام انوار کو خلق کرتا ہے۔

(۲) يَا مُنَوِّرَ النُّوْرِ، :''اے وہ ذات کہ جو نور کو روشنی بخشتی ہے''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ صرف یہی نہیں کہ پروردگار کی ذات اپنی حد تک نور کامل ہے، بلکہ یہ اپنی ذات سے ہٹ کر دیگر چیزوں کو بھی نورانیت بخشنے والی ہے۔ اسی کی ذات سے باقی انوار کو روشنی ملتی ہے۔

---

[1] مزید تفصیل کیلئے دُعائے جوشن کبیر کے سلسلے میں جناب حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ محمد علی شمالی کے مقالے ''دُعائے جوشن کبیر پر ایک نظر'' کی طرف رجوع فرمائیں جو صدائے ثقلین کے ۲۳ویں شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔

[2] مفاتیح الجنان، دُعائے جوشن کبیر، بند نمبر ۷۴۔

ان چیزوں کا وجود اور نور دونوں پروردگار عالم کے مرہون منت ہیں۔

(۳) يَا خَالِقَ النُّوْرِ، :''اے وہ ذات کہ جو نور کی خالق ہے''۔

(۴) يَا مُدَبِّرَ النُّوْرِ، :''اے وہ ذات کہ جو نور کو چلانے والی ہے''۔

پروردگار عالم کی ذات ہی باقی سب انوار کا اہتمام کرتی ہے۔ ہر چیز خداوند کے قبضہ قدرت اور اسی کے اختیار میں ہے۔

(۵) يَا مُقَدِّرَ النُّوْرِ، :''اے وہ ذات کہ جو نور کا تعین کرتی ہے''۔

پروردگار عالم آپ کی ذات ہی ہر چیز میں نور کی مقدار کا تعین کرتی ہے اور وہی اس بات کا احاطہ کر سکتی ہے کہ ہر مخلوق میں کتنا نور ہے اور ہر ایک عمل کتنی روشنائی اور نور پیدا کرتا ہے۔ اگر ہمارے اعمال اچھے ہوں اور ہمارے افکار و عقائد بھی اچھے ہوں تو پروردگار کی ذات ہی حد مقرر کرتی ہے کہ ان اعمال و عقائد کی بنا پر کتنا نور ہمارے شامل حال ہوتا ہے۔

(۶) يَا نُوْرَ كُلِّ نُوْرٍ، :''اے وہ ذات کہ جو ہر نور کا نور ہے''۔

یعنی ہر نور اسی کے نور کا محتاج ہے، بالکل چاند کی طرح کہ جو قمری مہینے کی درمیانی رات کو زبردست دمک رہا ہوتا ہے، لیکن اس کی روشنائی سورج کی روشنائی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۷) يَا نُوْرًا قَبْلَ كُلِّ نُوْرٍ، :''اے وہ ذات کہ جو ہر نور سے پہلا نور ہے''۔

(۸) يَا نُوْرًا بَعْدَ كُلِّ نُوْرٍ، :''اے وہ ذات کہ جو ہر نور کے بعد نور ہے''۔

یقیناً تقدم و تاخر وقت کے لحاظ سے نہیں ہے، بلکہ یہ علم الوجود کے اعتبار سے ہے، کیونکہ جب وقت بھی نہیں تھا، تب بھی خداوند کی ذات مقدس موجود تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات مقدس ہر نور سے پہلے موجود تھی اور وہ ہر نور کے بعد بھی موجود رہے گی۔

(۹) يَا نُوْرًا فَوْقَ كُلِّ نُوْرٍ، :''اے وہ ذات کہ جس کا نور ہر ذات سے بالاتر ہے''۔

(۱۰) يَا نُوْرًا لَيْسَ كَمِثْلِهِ نُوْرٌ۔ :''اے وہ ذات کہ جس کی مانند کوئی نور ہے ہی نہیں''۔

اللہ تعالیٰ ایسا نور ہے کہ جو ہر قسم کے نور سے بالاتر اور اعلیٰ ہے اور اس کی ذات ایسا نور ہے کہ جس کا

کوئی ہمسر و ثانی ہی نہیں ہے۔ پس ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہم جو کچھ بھی خداوند کے متعلق کہیں وہ خداوند کے وجود کی کیفیت نہیں ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

كُلَّمَا مَيَّزْتُمُوهُ بِأَوْهَامِكُمْ فِي أَدَقِّ مَعَانِيهِ مَخْلُوقٌ مَصْنُوعٌ مِثْلُكُمْ مَرْدُودٌ إِلَيْكُمْ۔

تم جس قدر بھی گہرائی میں جا کر خداوند کو اپنے گمان کے مطابق مفاہیم کی صورت میں تصور کرو گے وہ بھی تمہاری طرح مخلوق اور اپنی بنائی ہوئی چیز ہوگی جس کی نسبت خود تمہاری اپنی جانب ہے۔[1]

ہم چاہے جتنا بھی خداوند کی شناخت میں محتاط رہیں، لیکن جو تصور بھی ہم خداوند کے متعلق اپنے دماغ میں لائیں گے وہ خداوند متعال کا نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ تصور بھی ہماری طرح مخلوق ہوگا۔

حضرت امام علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: اگر آپ ایک چیونٹی سے خداوند متعال کے بارے میں پوچھیں کہ وہ خداوند کی توصیف کرے؟ تو وہ خداوند کو ایک عظیم چیونٹی کی طرح کا تصور پیش کرے گی۔ یعنی اپنی طرح، لیکن بہت بڑے انداز میں۔ یہ وہ آخری حد ہے جو ایک چیونٹی سوچ سکتی ہے۔ انسان کی بھی یہی صورت حال ہے کہ ہم بھی خداوند کے متعلق اسی طرح سوچتے ہیں کہ خداوند بھی ہماری طرح ہی ہے، لیکن بہت بڑا اور نہایت طاقتور۔ حالانکہ خداوند متعال کی ذات سپرمین یا عظیم چیونٹی یا کسی اور بڑی چیز کی طرح نہیں ہے۔ پروردگار کی ذات ہر لحاظ سے کامل و اکمل اور اعلیٰ و ارفع ذات ہے۔ قرآن مجید کے نقطہ نظر سے فقط اور فقط مخلَصین ہی اس کی ذاتِ والا کی توصیف بیان کر سکتے ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝﴾

خدا ان سب کے بیانات سے بلند و برتر اور پاک و پاکیزہ ہے، سوائے خدا کے نیک اور مخلص بندوں کے۔[2]

---

[1] بحار الانوار، ج ٦٦، ص ٢٩٣۔

[2] سورۂ صافات، آیت ١٥٩۔ ١٦٠۔

یقیناً ان مخلَصین کی طرف سے بیان ہونے والی توصیف بھی کامل نہیں ہے، لیکن پھر بھی قابل قبول ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں عظیم تر ہے کہ اس کی وصف کی جائے۔ (اَللّٰہُ اَکْبَرُ مِنْ اَنْ یُّوْصَفَ)۔

قرآن کریم کی روشنی میں، نور کی تخلیق

جیسا کہ ہم اس سے قبل جان چکے ہیں کہ قرآن مجید نے یہ واضح کیا ہے کہ نور اور ظلمت کی خالق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ①﴾

ساری تعریف اس اللہ کے لئے ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور تاریکیوں اور نور کو مقرر کیا ہے۔[1]

قرآن مجید میں آسمانوں اور زمین کی خلقت کے فوراً بعد ہمیں نور اور ظلمت کی تخلیق کے بارے میں بتایا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مخلوق کے اندر کسی حد تک نور اور تاریکی موجود ہوتی ہے۔ یہ اسلوب بیان کنایہ یا استعارہ نہیں ہے بلکہ ہر چیز میں واقعی نور موجود ہے۔

پھر روزِ قیامت کے بارے میں قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ یہ زمین جو آج سورج کی روشنی سے چمکتی ہے، اس دن خداداد نور کے ذریعہ دمک رہی ہوگی۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾

اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔[2]

پس زمین بھی سورج، بجلی وغیرہ کی مدد کے بغیر چمکے گی۔ خود زمین دمک رہی ہوگی۔ یہ بات ہمیں ان احادیث سے بھی سمجھ آتی ہے جو حضرت امام مہدی علیہ السلام کے زمانے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

---

[1] سورۂ انعام، آیت ۱۔

[2] سورۂ زمر، آیت ۶۹۔

جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اِذَا قَامَ قَآئِمُنَا اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ اسْتَغْنَى الْعِبَادُ عَنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ وَ ذَهَبَتِ الظُّلْمَةُ۔

جب ہمارے قائم (امام مہدیؑ) قیام کریں گے تو زمین نور پروردگار سے چمک اٹھے گی اور لوگوں کو سورج کی شعاعوں کی ضرورت نہیں پڑے گی اور تاریکی ختم ہو جائے گی۔[1]

دُعاؤں کی روشنی میں، نور کی تخلیق

دُعائے کمیل میں ارشاد ہے:

وَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَضَآءَ لَهٗ كُلُّ شَیْءٍ۔

اے پروردگار! تیرے جلوۂ ذات کے اس نور کا واسطہ جس سے ہر چیز روشن ہے۔[2]

یعنی وہ نور جو پروردگار کی طرف سے آتا ہے وہ ہر چیز کو منور کر دیتا ہے۔

اسی طرح دُعائے عہد میں ہم اس طرح پڑھتے ہیں؛

اَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ بِهِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرَضُوْنَ۔

پروردگارا! میں تجھے تیرے اس نام کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ جس کے ذریعہ آسمان اور زمینیں دمک رہی ہیں۔[3]

اگر آسمانوں اور زمین میں نور موجود ہے تو یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ایک نام کی وجہ سے ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم فی الحال اس نور کو نہیں دیکھ سکتے۔ جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے وضاحت کی ہے کہ قیامت کے روز یہ نور آشکار ہو جائے گا۔

---

[1] تفسیر صافی، ج ۴، ص ۳۳۱۔

[2] مفاتیح الجنان، دُعائے کمیل۔

[3] مفاتیح الجنان، دُعائے عہد۔

انسانوں کا نور

اب ہم اس نور کی طرف بڑھتے ہیں کہ جس کا تعلق ہم انسانوں سے ہے۔ واضح رہے کہ دیگر مخلوقات میں فطری طور پر کسی مقدار میں کچھ روشنی موجود ہے، لیکن انسان اور جن، ارادہ و اختیار کی بدولت ہی نور کی مختلف مقدار کے مالک بن سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں انسانوں اور جنوں کی تین قسمیں ہیں:

- ۱۔ سب سے بنیادی قسم وہ ہے کہ جب ہم پیدا ہوتے ہیں (یا اس سے بھی پہلے کہ جب انسان کو جنین کے مرحلہ میں روح دی جاتی ہے) وہ نور جو اس مرحلہ پر ہمیں دیا جاتا ہے، اسے نور فطرت کہا جاتا ہے۔ یہ بالکل بنیادی نور ہے کہ جو خداوند کی طرف سے فطری طور پر دیا جاتا ہے کہ جس میں ہمیں خود کو سمجھنے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کو سمجھنے کی قوت بھی عطا کی جاتی ہے اور اس کے بعد انسان جس ماحول اور فضا میں پیدا ہوتا ہے، خاص طور پر اس کے والدین اس پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں جو یا تو اس کو خداوند متعال کی ذات سے وفاداری کے ساتھ ساتھ اس سے محبت کرنے والا بنانے میں راہنمائی کرتے ہیں یا پھر اسے دیگر راستوں کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔

ہر شخص اس توانائی کے ساتھ پیدا ہوتا ہے کہ وہ خوب اور اچھے کو برے اور غلط سے پہچان سکے۔ اسی ذمہ داری کی بنا پر لوگوں سے ان کے کئے ہوئے اعمال کی بابت باز پرس ہوگی۔

اگر ہم لوگ سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوتے تو خداوند عالم کو ہم سے باز پرس کرنے کی ہرگز توقع نہ ہوتی۔ جب ایک نبی آتا ہے یا ہمارے زمانے میں جب ہم سچائی کے مختلف دعوؤں کا سامنا کرتے ہیں تو ارادے و اختیار کی طاقت کی وجہ سے ہم میں صحیح راستے کی طرف جانے اور اس کو پہچاننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ پس ہمارے پاس ایک ابتدائی نور موجود ہے۔ یہ پہلی قسم تھی کہ اس کی کئی مزید ذیلی شاخیں بنائی جاسکتی ہیں؟

- ۲۔ کسبی نور اور اگر اس کو اس نور میں اضافہ کیا جائے کہ جو خداوند نے ہمیں ابتدائی طور پر عطا کیا ہے۔ پس اس قسم میں لوگوں کے پاس دو قسم کے نور ہوتے ہیں:

الف۔ فطری نور جو انسان کو قدرت کی طرف سے عطا ہوا ہے۔

ب۔ کسبی نور جو انسان فطری نور کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔

اس مقالے میں ہماری گفتگو کا محور نور کی یہ دوسری قسم یعنی ''کسبی نور'' ہے۔ ہم یہاں پر یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ اس نور کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟

۳۔ یہ قسم ان لوگوں کی ہے کہ جو کسبی نور کو حاصل نہیں کر سکے ہیں۔ یہ لوگ یا تو اپنے فطری نور کو مکمل طور پر یا اس کا کچھ حصہ کھو بیٹھے ہیں یا یہ کہ اس فطری نور میں انہوں نے ذرّہ بھر بھی اضافہ نہیں کیا۔

گزشتہ قسط میں ہم نے آیت الکرسی کا حوالہ دیا ہے کہ جس میں ان تینوں قسموں کو بیان کیا گیا ہے۔

کسبی نور کو کیسے حاصل کیا جائے؟

ہم اس بات پر توجہ دینا چاہتے ہیں کہ اس دوسری قسم تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟ اور یہی ہمارا اصلی مقصد ہے کہ ہم کس طرح پہلی قسم سے ترقی کر کے دوسری قسم تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں؟

انبیاء اور آسمانی کتب کا نور اور اس کی اہمیت

سب سے پہلے ہم آسمانی کتابوں اور انبیاء کے کردار کے بارے میں بات کریں گے اور پھر خاص طور پر رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق عرض کریں گے کہ قرآن مجید ہمیں کسبی نور کے متعلق کیا راہنمائی کرتا ہے؟

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝﴾

پس اگر یہ آپؐ کی تکذیب کرتے ہیں تو (کرتے رہیں اس لئے کہ) آپؐ سے پہلے رسولوں کی بھی تکذیب ہو چکی ہے جو معجزات، مواعظ اور روشن کتاب سب کچھ لے کر آئے تھے۔[1]

اس آیہ مجیدہ میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ''رسل''، ''کتاب منیر'' کے ساتھ آتے ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگرچہ ''رسل'' کا لفظ جمع کا ہے، لیکن پھر بھی قرآن مجید ''الکتاب المنیر'' کو مفرد کے ساتھ

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۴۔

استعمال کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلی قسط میں ذکر کیا ہے کہ اس ''الکتاب'' میں تمام انبیاءؑ پر نازل ہونے والی کتابیں شامل ہیں اور ''الکتاب'' کو دو معنوں میں لیا گیا ہے۔[1]

اگرچہ توریت، انجیل اور قرآن مجید وہ کتب ہیں کہ جو خود کسی اور کتاب کا ظہور ہیں اور یہ ایک بات کا اعلان کرنے آئی ہیں اور وہ یہ کہ خداوند کے علم کی سطح کتنی بلند ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ﴾

یہ ایک محترم قرآن ہے جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔[2]

پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سب انبیاء ایک ''کتاب منیر'' (روشن کرنے والی کتاب) کے ساتھ آئے ہیں۔ وہ کتاب جو روشنائی دیتی ہے۔ پس توریت، انجیل، زبور اور قرآن مجید سب کے اندر نور موجود ہے اور یہی بات اس مندرجہ ذیل آیت میں بھی بیان ہوئی ہے:

﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝﴾

اور اگر یہ لوگ آپؐ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان کے پہلے والوں نے بھی یہی کیا ہے
جب ان کے پاس مرسلین معجزات، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے۔[3]

واضح رہے کہ مذکورہ آیات کے علاوہ بھی بہت سی آیات میں بھی خاص طور پر آسمانی کتب کے نور ہونے اور نور رکھنے کا تذکرہ ہوا ہے۔ ذیل میں ہم ان آیات کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ توریت:

سورۂ مائدہ میں خداوند کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ﴾

---

[1] یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر نبی کتاب لے کر نہیں آیا ہے، بلکہ صرف چند نبی کتاب لائے ہیں، جبکہ باقی انبیاءؑ نے ان کتابوں کی تبلیغ اور تعلیم دی ہے جنہیں ان سے پہلے کے یا ان کے زمانے کے انبیائے عظام علیہم السلام لے کر آئے۔

[2] سورۂ واقعہ، آیت ۷۷۔۷۸۔

[3] سورۂ فاطر، آیت ۲۵۔

بیشک ہم نے توریت کو نازل کیا ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔[1]

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ﴾

اور ان لوگوں نے واقعی خدا کی قدر نہیں کی جب کہ یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا ہے تو ان سے پوچھئے کہ یہ کتاب جو موسیٰ لے کر آئے تھے جو نور اور لوگوں کیلئے ہدایت تھی، کس نے نازل کی؟۔[2]

۲۔انجیل:

قرآن مجید میں یہ حوالہ بھی موجود ہے کہ انجیل نور والی کتاب ہے:

﴿وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ﴾

اور ہم نے انہی انبیاءؑ کے نقش قدم پر عیسیٰ ابن مریم کر چلا دیا جو اپنے سامنے کی توریت کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے انہیں انجیل دے دی جس میں ہدایت اور نور تھا۔[3]

ان آیات سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قرآنی نقطہ نظر سے سب خدائی پیغاموں اور سب الٰہی کتب جو انسانوں کی ہدایت کیلئے بھیجی گئی ہیں، سب کے اندر نور اور روشنائی موجود ہے اور وہ چراغ اور روشنائی ہدایت کی روشنائی ہے۔ اگر چہ ہر خدائی مخلوق کے اندر نور موجود ہے، لیکن آسمانی کتب کا نور ایک خاص نور ہے۔ یہ وہ نور ہے کہ جو ہدایت فراہم کرتا ہے۔ یہ وہ نور ہے کہ جس کو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہم ہر نور والی چیز کو نہ سمجھ سکیں وگرنہ ہمارا خداوند متعال پر بغیر کسی مشکل کے عقیدہ ہوتا، لیکن ہم دلیل کے ذریعہ اور دل کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں کہ خداوند متعال نے جو کتابیں ہماری طرف بھیجیں ہیں ان کے اندر نور موجود

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۴۴۔

[2] سورۂ انعام، آیت ۹۱۔

[3] سورۂ مائدہ، آیت ۴۶۔

ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں بھی نور موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ان کی باتیں سنتے ہیں یا ان کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کی محبت ہمارے دلوں کے اندر گھر کر لیتی ہے۔ یہ اسی خاص نور کا نتیجہ ہے۔

۳۔ قرآن مجید:

اگرچہ سب الٰہی کتابوں کے اندر نور پایا جاتا ہے، لیکن قرآن مجید کا نور سب سے زیادہ عیاں ہے۔ اللہ اپنی آخری کتاب کے اندر نور کے بارے میں یوں ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

پس جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کا احترام کیا، اس کی امداد کی اور اس نور کی اتباع کی جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے، وہی درحقیقت فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔[۱]

﴿النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ﴾ (: وہ نور جو آنحضرتؐ کے ساتھ نازل ہوا) کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ قرآن مجید، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا نہیں ہے۔ یہ وہ نور ہے کہ جو آپؐ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم مزید تفصیل بعد میں بیان کریں گے۔

ایک اور آیہ مجیدہ میں ارشاد ہے:

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾

تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے۔[۲]

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾

اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان آ چکا اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور بھی نازل کر دیا ہے۔[۳]

---

[۱] سورۂ اعراف، آیت ۱۵۷۔

[۲] سورۂ مائدہ، آیت ۱۵۔

[۳] سورۂ نساء، آیت ۱۷۴۔

ممکن ہے کہ یہاں ایک سوال پیدا ہو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ کیوں کہہ رہا ہے: ''نور مبین''؟ شاید بعض لوگ یہ سمجھیں کہ لفظ ''مبین'' کو صرف تاکید کیلئے اضافہ کیا گیا ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس لفظ کا اضافہ کچھ انوار کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ اگرچہ خود ''مبین'' ہمارے لئے آشکار نہیں ہے۔ بطور مثال سب فرشتوں میں نور موجود ہے، لیکن ہم ان کے نور کو نہیں دیکھ سکتے۔ خداوند کی ذات بھی نور الانوار ہے، لیکن ہم اس کی ذات کے نور کو نہیں دیکھ سکتے۔ یقیناً یہ ہمارے نقص کی وجہ سے ہے نہ کہ نور اور روشنائی میں کسی قسم کا نقص موجود ہے۔ ایک اور مسلم تعریف کے مطابق ''یہ اپنے آپ میں آشکار اور مبین ہیں اور دیگر چیزوں کو آشکار کرنے والے ہیں''۔ ہماری مثال اس شخص کی مانند ہے کہ جس نے اپنی آنکھ پر کوئی چیز رکھ دی اور وہ سورج کی روشنی کو نہ دیکھ سکے۔

قرآن کریم ''نور مبین'' ہے۔ اس لئے کہ ہر کوئی، چاہے وہ کچھ زیادہ پڑھا لکھا ہوا نہ بھی ہو، پھر بھی بہت ساری چیزوں کو قرآن مجید سے سمجھ سکتا ہے، بشرطیکہ اس کا دل صاف ہو۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو قرآن مجید کی وجہ سے اسلام قبول کرتے ہیں۔ باوجود اس کے قرآن مجید کے تراجم کامل اور قرآنی مفاہیم کے مکمل عکاس نہیں ہوتے، لیکن پھر بھی لوگ قرآن مجید کو سمجھ سکتے ہیں یا یوں کہا جائے کہ اصل میں وہ قرآن مجید کے نور کو دیکھ سکتے ہیں۔

ہمارے پاس نہایت اعتماد والے لوگوں کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو قرآن مجید سے نکلنے والے نور کو دیکھ سکتے تھے۔ ان میں سے ایک شخصیت کربلائی کاظم کی تھی کہ جو آیت اللہ العظمیٰ بروجردی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں موجود تھے۔ جو لوگ کربلائی کاظم سے مل چکے ہیں ان میں سے اب بھی کچھ لوگ زندہ ہیں۔ ان میں سے ایک آیت اللہ العظمیٰ مکارم شیرازی مدظلہ بھی ہیں۔

کربلائی کاظم ایران کے مرکزی حصے کے شہر اراک کے اطراف میں ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ یہ بالکل ہی سادہ اور ان پڑھ انسان تھے، لیکن ساتھ ساتھ وہ نہایت ہی مخلص اور متقی انسان تھے۔ ایک مرتبہ، ماہ مبارک رمضان میں، ان کے گاؤں میں ایک عالم دین تبلیغ کیلئے آئے اور زکوٰۃ و خیرات دینے کی افادیت و اہمیت کے متعلق بتایا۔ ان کی اس بات نے کربلائی کاظم پر بڑا اثر کیا، انہوں نے اپنے

والد سے اور ان لوگوں سے جن کے ہاں ان کے والد کام کرتے تھے، زکوٰۃ ادا کرنے کو کہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے جس پر کربلائی کاظم نے فیصلہ کیا کہ وہ اس گاؤں کو چھوڑ کر کہیں اور جا کر مزدوری کریں گے۔ کچھ عرصہ بعد گاؤں کے لوگوں نے ان کو پیغام بھیجا کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے تیار ہیں، لہٰذا وہ اپنے گاؤں واپس لوٹ آئیں جس کے بعد وہ واپس آئے اور اپنے والد کے ہمراہ کام کرنا شروع کر دیا۔ ان کے گاؤں میں ایک امامزادے کا مزار بھی تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ امامزادے کی زیارت کر کے واپس لوٹ رہے تھے کہ دو لوگ آئے اور ان سے کہا کہ ان کے ساتھ زیارت کیلئے آئیں۔ کربلائی کاظم نے بتایا کہ وہ ابھی زیارت کر کے نکلے ہیں، لیکن انہوں نے اصرار کیا اور ان کو دوبارہ اندر لے گئے اور مزار کے اندر لکھی ہوئی قرآن مجید کی آیات پڑھنے کو کہا۔ کربلائی کاظم نے کہا کہ میں تو کچھ بھی نہیں پڑھ سکتا۔ انہوں نے اصرار کیا کہ وہ ان آیات کو پڑھے تو اس پر انہوں نے پڑھنا شروع کیا اور اسی دوران بے ہوش ہو گئے۔ جب وہ ہوش میں آئے تو وہ تمام قرآن کریم کو زبانی پڑھ سکتے تھے اور یہی نہیں کہ وہ فقط ابتداء سے انتہا تک قرآن کریم کو زبانی پڑھ سکتے تھے، بلکہ انتہا سے ابتدا تک بھی پڑھ سکتے تھے۔

کچھ عرصہ بعد کربلائی کاظم کو قم میں لے جایا گیا، جہاں پر مختلف علمائے کرام نے ان کا امتحان لیا۔ بطور مثال ان کے سامنے عربی کا ایک متن رکھا جاتا کہ جس میں قرآن مجید بھی شامل ہوتا اور اسی رسم الخط میں عربی کے دیگر الفاظ بھی۔ پھر ان سے کہا جاتا کہ وہ قراں مجید کی آیات کو دیگر عربی متن سے جدا کریں تو وہ فوراً قرآن مجید کی آیات کو پہچان لیتے اور بتلاتے کہ یہ یہ قرآن مجید کی آیات ہیں اور دیگر الفاظ کے متعلق بتلاتے کہ یہ قرآن مجید نہیں ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کس طرح سے قرآن مجید کے الفاظ کو دیگر الفاظ سے پہچانتے ہیں تو وہ فرماتے تھے کہ میں ان الفاظ میں نور اور روشنائی دیکھتا ہوں۔ یہ قرآن مجید نہیں پڑھ سکتے تھے، لیکن اب وہ قرآن کریم کی آیات کے نور کو دیکھ سکتے تھے۔

اگرچہ یہ ہر شخص کیلئے ممکن نہیں کہ وہ حقیقی نور کا مشاہدہ کرے۔ قرآن مجید میں ایک نور مبین موجود ہے کہ جو شعور اور ہمت سے انسان سمجھ سکتا ہے۔ یہ ایسا نور ہے کہ جس کو ایک غیر مسلم بھی درک کر سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ﴾

اور اسی طرح ہم نے آپؐ کی طرف اپنے حکم سے روح (قرآن) کی وحی کی ہے۔ آپؐ کو نہیں معلوم تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کن چیزوں کا نام ہے؟ لیکن ہم نے اسے ایک نور قرار دیا ہے جس کے ذریعہ اپنے بندوں میں جسے چاہتے ہیں ہدایت دے دیتے ہیں اور بیشک آپؐ لوگوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں۔[1]

پس انبیائے عظام علیہم السلام جو آسمانی کتب لائے ہیں وہ نور ہیں۔ البتہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ خاص نور لائے ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بھی نور ہے۔ ہم یہاں یہ نہیں کہنا چاہتے کہ دیگر انبیائے الٰہی علیہم السلام کا وجود نور نہیں ہے، لیکن اس کا قرآن مجید میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ یقیناً اس کی کوئی وجہ ہوگی، لیکن جب بات آسمانی کتب کی ہوتی ہے تو قرآن مجید اس کو بیان کرتا ہے کہ سب کتب نور ہیں اور نور عطا کرتی ہیں اور خاص طور پر توریت، انجیل اور قرآن کا اس میں تذکرہ موجود ہے، لیکن جب بات انبیاء کی ہوتی ہے تو وہاں خداوند متعال فقط حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کرتا ہے کہ آپؐ کی ذات نور کا منبع ہے۔ ارشاد پروردگار ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۙ﴾

اے پیغمبر! ہم نے آپؐ کو گواہ، بشارت دینے والا، عذاب الٰہی سے ڈرانے والا اور خدا کی

---

[1] سورۂ شوریٰ، آیت ۵۲۔ واضح رہے کہ آیہ مجیدہ کا یہ جملہ: ﴿نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ﴾: (اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے ہم چاہتے ہیں ہدایت دے دیتے ہیں) اور اسی کے مشابہ جملے کا قرآن مجید میں پایا جانا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ خداوند کی طرف سے قواعد میں خلاف ورزی کی گئی ہے۔ قرآن کی ایک اور آیت میں واضح الفاظ میں خداوند ہمیں اپنے انتخاب کے متعلق بتا رہا ہے اور یہ کہ وہ کون سے لوگ ہیں جو اس قسم کی ہدایت کے زیادہ محتاج ہیں۔ بطور مثال قرآن مجید کی یہ آیات: سورۂ بقرہ، آیت ۲۶، آیت ۲۵۸، سورۂ رعد، آیت ۲۷ اور سورہ زمر آیت ۳۔

طرف اس کی اجازت سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔[1]

رسول کریم ﷺ اس بات کے عینی گواہ ہیں جیسا کہ آپؐ نے یہ بتلا دیا کہ خداوند متعال کی ذات، انسانوں کو کس طرح دیکھنا چاہتی ہے۔ علاوہ ازیں آپؐ اس بات کے بھی گواہ ہیں کہ لوگ آپؐ کے لائے ہوئے پیغام سے کس طرح سے پیش آئے۔ رسول کریم ﷺ نے علاوہ ازیں بشارت بھی دی اور نذیر بھی بن کر آئے۔ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو خداوند کی طرف دعوت دی کہ وہ خدا کی طرف آئیں۔ یقیناً جیسا کہ ہم نے گزشتہ قسط میں واضح کیا کہ یہ راہنمائی فقط راستہ دکھانا (ارائۃ الطریق) نہیں بلکہ ہدف اور مقصد تک پہنچانا (ایصال الی المطلوب) ہے۔

پس رسول گرامی ﷺ کی ذات اقدس ایک ''تابندہ نور'' ہیں۔ آپؐ کی ذات کو ایک چراغ کی مانند توصیف نہیں کیا جا سکتا، بلکہ آپؐ کو ''نور افشاں'' کہنا بجا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپؐ کی ذات ایسا چراغ ہے کہ جو ہمیشہ درخشاں کرنے والا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن مجید بھی ایک ''نور عیان'' ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۝﴾

اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان آچکا اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور بھی نازل کر دیا ہے۔[2]

مندرجہ بالا آیت واضح اعلان کر رہی ہے کہ خود رسول خدا ﷺ بھی ایک ''درخشاں چراغ'' ہیں۔ نیز یہ آیہ مجیدہ یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ رسول کریمؐ اور آپؐ کو دی جانے والی کتاب میں ہم آہنگی اور یکجہتی پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ ۖ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۴۵۔۴۶۔

[2] سورۂ نساء، آیت ۱۷۴۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ
وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ
وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

جولوگ رسول نبی امی ﷺ کی اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ وہ نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے احکام کے سنگین بوجھ اور قید و بند کو اٹھا دیتا ہے، پس جولوگ اس پر ایمان لائے، اس کا احترام کیا اور اس نور کی اتباع کی جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے، وہی درحقیقت فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔[1]

یہ آیات واضح کر رہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمیں اس نور کی بھی اتباع کرنی چاہیے جو آپؐ اپنے ساتھ لائے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کی ذات اس شخص کی مانند نہیں ہے کہ جس کے پاس کوئی نور نہیں ہے اور وہ ایک چراغ اٹھائے ہوئے ہے، بلکہ آپؐ کی ذات گرامی خود بھی چمکتا نور ہے اور اپنے ساتھ بھی ایک درخشاں نور لائی ہے جو کہ قرآن مجید کی صورت میں ہے۔

ہم اپنی اس بحث کو اگلی قسط میں جاری رکھیں گے کہ مزید نور کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟

(جاری ہے)

*****

[1] سورۂ اعراف، آیت ۱۵۷۔

دہشت گردی کی تازہ لہر اور سفاک گروہ داعش کی خون آشام کارروائیوں کے تناظر میں

رہبر معظم حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای مدظلہ العالی

کا

یورپی و مغربی ممالک کے نوجوانوں کے نام خط[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مغربی ممالک کے تمام جوانوں کے نام!

فرانس میں اندھی دہشت گردی کے واقعات نے ایک بار پھر مجھے آپ نوجوانوں سے مخاطب ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ میرے لئے یہ بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ اس طرح کے واقعات آپ نوجوانوں کے ساتھ گفتگو کا سبب بنتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دردناک واقعات باہمی مشاورت اور چارہ جوئی کا راستہ ہموار نہ کریں تو بہت زیادہ نقصان ہوجائے گا۔ دنیا کے ہر خطے میں بسنے والے انسان کا غم بجائے خود بنی نوع انسان کیلئے رنج واندوہ کا باعث ہے۔

ایسے مناظر کہ جن میں بچہ اپنے اعزاء واقرباء کے سامنے موت کو گلے لگا رہا ہو، ماں کہ جس کی وجہ سے اس کے اہل خانہ کی خوشیاں غم میں تبدیل ہوجائیں، شوہر جو اپنی بیوی کے بے جان جسم کو تیزی کے ساتھ کسی سمت لے جا رہا ہو، یا وہ تماشائی کہ جسے یہ نہیں معلوم کہ وہ چند لمحوں کے بعد خود اپنی زندگی کا آخری سین دیکھنے والا ہے، یہ وہ مناظر نہیں ہیں کہ جو انسان کے جذبات و احساسات کو نہ ابھارتے ہوں۔ ہر وہ شخص کہ جس میں محبت اور انسانیت پائی جاتی ہو، ان مناظر کو دیکھ کر متاثر اور رنج والم کا شکار ہوجاتا ہے۔ چاہے اس طرح کے واقعات فرانس میں رونما ہوئے ہوں یا فلسطین، عراق، لبنان اور شام میں۔ یقیناً ڈیڑھ ارب مسلمان اسی احساس کے حامل ہیں اور وہ اس طرح کے گھناؤنے واقعات میں

---

[1] یہ خط 22 جنوری 2015ء کو لکھا گیا۔ (بشکریہ از: www.khamenei.ir)۔

ملوث افراد سے نفرت کرتے ہیں اور ان سے بیزار ہیں۔لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اگر آج کے رنج والم ایک اچھے اور زیادہ محفوظ مستقبل کی تعمیر کا سبب نہ بنیں تو وہ صرف تلخ اور بے ثمر یادوں کی صورت میں باقی رہ جائیں گے۔ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ صرف آپ نوجوان ہی ہیں جو آج کی مشکلات سے سبق حاصل کر کے اس بات پر قادر ہو جائیں کہ مستقبل کی تعمیر کیلئے نئی راہیں تلاش کر سکیں اور ان غلط راستوں کی رکاوٹ بن جائیں جو یورپ کو موجودہ مقام تک پہنچانے کا باعث بنے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ آج دہشت گردی ہمارا اور آپ کا مشترکہ مسئلہ ہے۔لیکن آپ لوگوں کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جس بدامنی اور اضطراب کا حالیہ واقعات کے دوران آپ لوگوں کو سامنا کرنا پڑا ہے، ان مشکلات میں اور برسہا برس سے عراق، یمن، شام اور افغانستان کے لوگوں نے جو مشکلات برداشت کی ہیں، ان میں دو اہم فرق پائے جاتے ہیں:

پہلا فرق یہ ہے کہ اسلامی دنیا مختلف زاویوں سے نہایت وسیع اور بڑے پیمانے پر اور ایک بہت لمبے عرصے سے تشدد کی بھینٹ چڑھی ہوئی ہے۔ دوسرے یہ کہ افسوس کہ اس تشدد کی ہمیشہ بعض بڑی طاقتوں کی جانب سے مختلف اور مؤثر انداز میں حمایت کی جاتی رہی ہے۔آج شاید ہی کوئی ایسا فرد ہوگا جو القاعدہ، طالبان اور ان سے وابستہ منحوس گروہوں کو وجود میں لانے، ان کی تقویت اور ان کو مسلح کرنے کے سلسلے میں امریکہ کے کردار سے آگاہ نہ ہو۔اس براہ راست حمایت کے علاوہ تکفیری دہشت گردی کے جانے پہچانے حامی پسماندہ ترین سیاسی نظام کے حامل ہونے کے باوجود ہمیشہ یورپ کے اتحادیوں کی صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور یہ ایسی حالت میں ہے کہ جب خطے میں ترقی کی جانب گامزن اور جمہوریت سے جنم لینے والے ترقی پسند اور روشن ترین نظریات کو بڑی بے رحمی کے ساتھ کچلا جاتا ہے۔ اسلامی دنیا میں بیداری کی تحریک کے ساتھ یورپ کا دوہرا رویہ یورپی پالیسیوں میں پائے جانے والے تضادات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس تضاد کی ایک تصویر اسرائیل کی ریاستی دہشت گردی کی حمایت کی صورت میں نظر آتی ہے۔ فلسطین کے مظلوم عوام ساٹھ سال سے زیادہ عرصے سے بدترین دہشت گردی کا شکار ہیں۔اگر یورپ

کے عوام آج چند دنوں کیلئے اپنے گھروں میں محصور ہو گئے ہیں اور وہ عوامی مقامات اور پر ہجوم علاقوں میں جانے سے گریز کر رہے ہیں تو فلسطینی خاندان دسیوں برسوں سے حتی اپنے گھروں میں بھی غاصب صیہونی حکومت کی تباہی و بربادی اور قتل و غارت گری کی مشینری سے محفوظ نہیں ہیں۔ آج کونسے تشدد کا موازنہ صیہونی بستیوں کی تعمیر کے شدت ظلم کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جا سکتا ہے؟

یہ حکومت روزانہ فلسطینیوں کے گھروں کو ویران اور ان کے باغات اور کھیتوں کو نیست و نابود کر رہی ہے، لیکن اس کے بااثر اتحادی یا کم از کم بظاہر آزاد بین الاقوامی ادارے مؤثر انداز میں اور سنجیدہ طور پر اس کی مذمت بھی نہیں کرتے حتی فلسطینیوں کو اپنا ساز و سامان دوسری جگہ منتقل کرنے اور غلہ جات کو اکٹھا کرنے کا موقع بھی نہیں ملتا اور یہ سب کچھ وہ ان دہشت زدہ، سہمی اور روتی ہوئی خواتین اور بچوں کی آنکھوں کے سامنے انجام دیتی ہے کہ جو اپنے گھرانے کے افراد کو زدوکوب ہوتا ہوا اور بعض اوقات ان کو خوفناک ٹارچر سیلوں میں منتقل کئے جاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ کیا آج کی دنیا میں آپ کو کوئی اور ایسا ظلم نظر آتا ہے جو اتنے بڑے پیمانے پر یا اتنے زیادہ عرصے تک کیا گیا ہو؟ سڑک کے درمیان میں ایک ایسی خاتون کو گولی ماردی جائے جس کا جرم صرف یہ ہو کہ اس نے سر سے پاؤں تک مسلح فوجی کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ یہ دہشت گردی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس بربریت کا ارتکاب چونکہ ایک قابض حکومت کے فوجی کرتے ہیں تو کیا اسے دہشت گردی نہیں کہنا چاہئے؟ یا یہ تصاویر صرف اس لئے ہمارے ضمیر کو بیدار نہیں کرتیں کہ چونکہ ساٹھ برسوں کے دوران بارہا ان کو ٹیلی ویژن سے دیکھا جا چکا ہے۔

حالیہ برسوں کے دوران اسلامی دنیا پر کئے جانے والے متعدد حملے بھی، کہ جن کے دوران بے شمار جانی نقصان ہوا، یورپ کی متضاد منطق کا ایک اور نمونہ ہے۔ جن ممالک پر یلغار کی گئی ہے ان کو جہاں انسانی جانوں کے نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے وہیں وہ اپنی بنیادی اقتصادی اور صنعتی تنصیبات سے بھی محروم ہو چکے ہیں، ان کی ترقی و پیشرفت کا سفر یا تو رک چکا ہے یا اس کی رفتار انتہائی سست ہو گئی ہے اور وہ دسیوں سال پیچھے چلے گئے ہیں۔ اس کے باوجود نہایت گستاخانہ انداز میں ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مظلوم نہ سمجھیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی ملک کو کھنڈرات کا ڈھیر بنا دیا جائے، اس کے

شہروں اور دیہاتوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے اور پھر ان سے کہا جائے کہ برائے مہربانی آپ لوگ اپنے آپ کو مظلوم نہ سمجھیں۔ کیا انہیں اپنے آپ کو مظلوم نہ سمجھنے یا المناک واقعات کو بھلا دینے کی تلقین کرنے کے بجائے ان سے سچے دل سے معافی مانگنا بہتر نہیں ہے؟ حالیہ برسوں کے دوران اسلامی دنیا کو جارح طاقتوں کے بناوٹی چہروں اور منافقت سے جس روحانی ونفسیاتی الم ورنج کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ مالی نقصانات سے کم نہیں ہے۔

اے عزیز جوانو! مجھے امید ہے کہ آپ لوگ موجودہ اور آنے والے زمانے میں جھوٹ سے آلودہ اس ذہنیت کو بدل دیں گے۔ وہ ذہنیت کہ جس کا بڑا فن دوررس مقاصد کو چھپانا اور نقصان دہ اغراض و مقاصد کی آرائش کرنا ہے۔ میرے نزدیک امن وامان کی برقراری کا پہلا مرحلہ تشدد پیدا کرنے والی اس فکر کو بدلنے سے عبارت ہے۔ یورپ کی پالیسی پر جب تک دوہرے معیارات چھائے رہیں گے اور جب تک دہشت گردی کے طاقتور حامی اسے اچھی اور بری دہشت گردی میں تقسیم کرتے رہے گے اور جب تک حکومتوں کے مفادات کو انسانی اور اخلاقی اقدار پر ترجیح دی جاتی رہے گی، تب تک تشدد کا سبب کسی اور چیز میں تلاش نہیں کرنا چاہیے۔

افسوس کہ برسہابرس سے یہ علل واسباب تدریجاً یورپ کی ثقافتی پالیسیوں میں بھی رسوخ کر چکے ہیں اور انہوں نے ایک نرم اور خاموش یلغار شروع کر رکھی ہے۔ دنیا کے بہت سے ممالک اپنی مقامی اور قومی ثقافت پر فخر کرتے ہیں۔ ایسی ثقافتیں کہ جو ثمر کا حامل اور بالیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ سیکڑوں برسوں سے انسانی معاشروں کی بطریق احسن پرورش کر رہی ہیں۔ اسلامی دنیا بھی اس امر سے مستثنیٰ نہیں ہے، لیکن عصر حاضر میں یورپی دنیا جدید ترین آلات کا سہارا لے کر پوری دنیا پر ایک جیسی ثقافت اور کلچر مسلط کرنے کے درپے ہے۔ میں مغربی ثقافت کو دوسری قوموں پر مسلط کرنے اور آزاد ثقافتوں کو حقیر سمجھنے کو ایک خاموش اور بہت ہی نقصان دہ تشدد سمجھتا ہوں۔ واضح رہے کہ تہذیب وتمدن سے مالا مال ثقافتوں کو ایسے حالات میں حقیر سمجھا جا رہا ہے اور ان کے قابل احترام ارکان کی توہین کی جا رہی ہے کہ جب ان کی متبادل ثقافتوں میں ان ثقافتوں کی جگہ لینے کی اہلیت نہیں ہے۔

بطور مثال ایک واضح حقیقت ہے کہ عصر حاضر کی مغربی ثقافت اپنے دو بنیادی اجزائے ترکیبی: ''جارحانہ رویہ'' اور ''اخلاقی بے راہ روی'' کی وجہ سے خود اپنی ہی نظروں میں گر چکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم روحانیت و معنویت سے عاری، جنگ پسند اور فحاشی پر مبنی اس ثقافت کو تسلیم نہ کریں تو کیا ہم گنہگار ہیں؟ اگر ہم فن و ہنر اور آرٹ کے نام پر اپنے نوجوانوں کی طرف امڈ کر آنے والے تباہ کن سیلاب کی روک تھام کریں تو کیا ہم قصور وار ہیں؟ میں ثقافتی رابطوں کی اہمیت کا انکار نہیں کرتا۔ جب بھی دوسرے معاشروں کے احترام کو مدنظر رکھ کر اور عام حالات میں یہ رابطے قائم کئے گئے تو ان کا نتیجہ ترقی، پیشرفت اور بالیدگی کی صورت میں برآمد ہوا ہے اور اس کے برعکس زبردستی مسلط کئے گئے اور ناموزوں رابطے ناکام اور نقصان دہ ثابت ہوئے ہیں۔

بہت ہی افسوس کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ داعش جیسے پست گروہ درآمد شدہ ثقافتوں کے ساتھ اسی طرح کے ناکام رابطوں کا نتیجہ ہیں۔ اگر واقعی اعتقاد کے اعتبار سے کوئی مشکل ہوتی تو سامراجی دور سے قبل بھی اسلامی دنیا میں اس طرح کے واقعات پیش آتے، حالانکہ تاریخ اس کے خلاف گواہی دے رہی ہے۔ مسلمہ تاریخی حقائق سے واضح طور پر اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ کس طرح ایک مسترد کی گئی انتہا پسندانہ فکر کے ساتھ سامراج کے رابطے نے، وہ بھی ایک بدو قبیلے میں، اس خطے میں انتہا پسندی کا بیج بویا، ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دینے والے دنیا کے سب سے زیادہ انسانی ترین اور اخلاقی ترین دینی مکتب سے داعش جیسی گندگی جنم لے سکے؟

دوسری جانب یہ بھی پوچھا جانا چاہیے کہ یورپ میں پیدا ہونے والے اور اسی فکری اور روحانی ماحول میں پرورش پانے والے افراد اس طرح کے گروہوں میں کیوں شامل ہوتے ہیں؟ کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ افراد ایک دو مرتبہ جنگی علاقوں کا دورہ کر کے اس حد تک انتہا پسند بن جاتے ہیں کہ وہ اپنے ہم وطنوں پر گولیاں برسا دیں؟ یقیناً آلودہ اور تشدد کو وجود میں لانے والے ماحول میں عرصۂ دراز تک نامناسب ثقافتی غذا سے پرورش پانے کے اثرات کو فراموش نہیں کیا جانا چاہیے۔ اس کا ایک ایسا جامع جائزہ لیا جانا ضروری ہے کہ جو معاشرے کی آشکارا اور خفیہ گندگیوں کی نشاندہی کر سکے۔

شاید صنعتی اور اقتصادی ترقی کے ان حالیہ برسوں کے دوران عدم مساوات اور بعض اوقات قانونی اور بنیادی امتیازی سلوک کے نتیجے میں مغربی معاشرے کے بعض طبقات میں بوئی جانے والی شدید نفرت کی وجہ سے ایسا کینہ پیدا ہو گیا ہے کہ جو وقتاً فوقتاً ایک مرض کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

بہر حال یہ اب آپ لوگ ہیں کہ جنہیں معاشرے کے اس ظاہری خول کو اتار پھینکنا ہے اور دشمنی اور کینے کی اصل وجوہ کا پتہ لگا کر اسے ختم کرنا ہے، شگافوں کو مزید گہرا ہونے سے روک کر انہیں پُر کرنا ہے۔ دہشت گردی سے مقابلے کے سلسلے میں سب سے بڑی غلطی عجلت پر مبنی وہ ردعمل ہے کہ جو موجودہ مشکلات میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں تشکیل پانے والے مسلمان معاشرے کو، کہ جو کئی ملین سرگرم اور فرض شناس انسانوں پر مشتمل ہے، تنہائی اور اضطراب میں مبتلا کرنے پر منتج ہونے والا ہر ایسا اقدام جو جذبات کی رو میں بہہ کر اور عجلت پسندی سے کام لے کر انجام دیا گیا ہو اور جو اس معاشرے کو اضطراب، تنزلی اور خوف و ہراس میں مبتلا کر دے اور پہلے سے زیادہ انہیں ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر دے اور انہیں میدان عمل سے دور کر دے، اس سے نہ صرف مشکل حل نہیں ہوگی بلکہ اس سے فاصلے مزید بڑھیں گے اور کدورتوں میں وسعت آئے گی۔ سطحی تدابیر اور ردعمل میں انجام دیئے جانے والے اقدامات کا، خاص کر اگر ان کو قانونی حیثیت حاصل ہو جائے، سوائے دھڑے بندیوں میں اضافہ کرنے اور آئندہ بحرانوں کا راستہ ہموار کرنے پر منتج ہونے کے علاوہ کوئی اور نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

موصولہ رپورٹ کے مطابق بعض یورپی ممالک میں ایسے قوانین بنائے گئے ہیں جو شہریوں کو مسلمانوں کی جاسوسی پر اُکساتے ہیں۔ یہ ظالمانہ رویہ ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ ظلم لامحالہ ظالم کی طرف پلٹنے کی خصوصیت کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان اس ناقدری کے سزاوار بھی نہیں ہیں۔ مغربی دنیا صدیوں سے مسلمانوں کو بہت اچھی طرح پہنچانتی ہے۔ اس دن سے کہ جب یورپ والے اسلامی سرزمینوں میں مہمان تھے اور ان کی نظریں میزبانوں کی دولت پر جمی ہوئی تھیں اور اس دن سے بھی کہ جب وہ میزبان تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے کام اور ان کے افکار سے فائدہ اٹھایا، ان کو مسلمانوں میں مہربانی اور صبر کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔

بنابریں میں آپ نوجوانوں سے تقاضا کرتا ہوں کہ آپ لوگ درست شناخت اور غور وخوض کی بنیاد پر اور تلخ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی دنیا کے ساتھ عزت پر مبنی اور صحیح اشتراک عمل کی بنیاد رکھنے کی تیاری کریں۔ اس صورت میں وہ دن دور نہیں کہ آپ لوگ یہ دیکھ لیں گے کہ آپ جن بنیادوں پر اس عمارت کو استوار کریں گے وہ اپنے معماروں کے سروں پر اطمینان اور اعتماد کا سایہ کرے گی، ان کو امن وسکون کی گرماہٹ کا تحفہ دے گی اور صفحہ ہستی میں تابناک مستقبل کی امید کی کرن روشن کرے گی۔

والسلام

سیّد علی خامنہ ای

(29نومبر 2015ء)

*****

موقع شناسی

جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا اَبَا ذَرٍّ! اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَ صِحَّتَكَ قَبْلَ سُقمِكَ وَ غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَ حَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔

اے ابوذرؓ! پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت شمار کرو! جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو تنگدستی سے پہلے، فراغت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔

(وسائل الشیعہ، ج ۱، ص ۱۱۴)

حلال میڈیا اور حرام میڈیا

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل

ماڈرن میڈیا اور عصر حاضر کے نشریاتی ادارے اس وقت کی اجتماعی ضرورت کا نام ہے جس کا اندازہ آپ یوں لگا سکتے ہیں کہ کوئی گھر ایسا نہیں جہاں پر ریڈیو، ٹی وی یا سیٹلائٹ سسٹم سے وابستہ نظام نہ ہو۔ دنیا سکڑ کر ایک گلوبل ولیج بن چکی ہے۔ ایک خبر دنیا کے کسی کونے میں آناً فاناً پہنچ جاتی ہے۔ کوئی شے پوشیدہ نہیں اور نہ ہی کوئی پرائیویسی اور رازداری کی بات ہے۔ ظاہر ہے جس نظام پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو جائے وہاں انسانی حقوق وحرمت کا کیا مسئلہ ہوگا۔ وہ جب چاہیں اور جیسا چاہیں لوگوں کو دکھاتے رہیں گے۔ زیروزبر کا کھیل اور تخت وتختہ کی داستانیں عجیب ہیں۔ اسرائیلی میڈیا یہی کچھ ہی کرسکتا ہے۔

اس وقت حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں اور جنگوں اور لڑائیوں کے محاذ بدل چکے ہیں۔ جب دشمن کو عسکری محاذوں پر منہ کی کھانی پڑی تو اس نے دیگر محاذ کھول دیئے۔ آپ نے دیکھا کہ عراق، افغانستان، مصر، لیبیا، بحرین، یمن، لبنان، شام۔۔۔ کی روایتی جنگ میں دشمن کو ناکامی ہوئی تو اس نے نفسیاتی اور ثقافتی محاذ کھول دیئے۔ وہ سیٹلائٹ کے نظام کے ذریعے ہماری نسلوں کو برباد کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت بچوں اور نوجوانوں کو نئے نئے دوست مل گئے ہیں۔ کتنے بچے اس وقت اپنے والدین کے ساتھ بیٹھتے ہیں؟ کتنے بہن بھائی آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتے اور ایک دوسرے کو اپنا دکھ درد بتاتے ہیں؟ اس رفاقت سے ہٹ کر ٹی وی، گیمز، موبائل فون اور انٹرنیٹ۔۔ جیسے رفقاء میسر آ گئے ہیں۔

ان حالات میں اپنی جوان نسل کو شاہراہِ ہدایت پر گامزن کرنے کے سلسلے میں ہماری ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ایسے حالات میں حلال میڈیا کی ضرورت ہے جو نسلوں کو پروان چڑھائے، ان کی فلاح وصلاح کا انتظام کرے اوران کی فکری تربیت کرے تاکہ ان کا دل ودماغ روشن ہو جائے۔

حلال میڈیا میں حق وحقانیت کی بات ہوتی ہے، صدق وصداقت، امانتداری اور غیرت مندی کی بات کی جاتی ہے۔جیسا کہ ارشادقدرت ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

وہی پروردگار ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اوردین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس ہر دین پر غالب بنادیں، اگرچہ مشرکین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔[1]

حرام میڈیا دین اورتہذیب پر یلغار کرتا ہے،خبروں میں دھاندلی اورحق وحقانیت کو سینسر کرتا ہے۔جس طرح آج آپ نے دیکھا کہ کربلا کی سرزمین پر اربعین حسینیؑ کے موقع پر ایک عظیم تاریخی عالمی اجتماع منعقد ہوا،جس میں 26 ملین سے زیادہ افراد نے شرکت کی، دنیا کی سب سے طویل 400 میل لمبی ریلی نکلی جس میں 2 کروڑ سے زیادہ افراد کو کھانا کھلانے کا عالمی ریکارڈ ٹوٹا،جس میں دنیا کی سب سے بڑی 30 کلومیٹر پر پھیلی ہوئی نماز باجماعت قائم ہوئی،جس ریلی میں 12000 سے زیادہ رضا کارہوں، جس میں تمام مذاہب شیعہ، سنی، مسیحی، یہودی۔۔۔ نے شرکت کی، مگر دنیا میں سب سے زیادہ سینسر ہونے والا یہی اجتماع ہے۔آزاد دنیا میں رہنے والے اوراور آزادی وعدل کا نعرہ بلند کرنے والے میڈیا نے اس فقید المثال عالمی اجتماع کی خبر تک نشر نہیں کی۔ایسے میڈیا کو حلال میڈیا سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

کیا آپ نے سوچا ہے کہ آخرانہوں نے اس عظیم عالمی اجتماع کو کیوں نشر نہیں کیا ہے؟!!!،اس کے بلیک آؤٹ اوراسے منظر سے غائب کرنے کی کیا وجوہات ہیں؟ کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ یہ اجتماع زمانے کے یزید کیلئے خطرے کا باعث ہے؟ تعصب وجہالت سے لبریز سرمایہ داری نظام اورسرمایہ دارانہ میڈیا

---

[1] سورۂ توبہ، آیت ۳۳۔

اسے اپنے لئے خطرہ تو محسوس نہیں کر رہا؟۔اس لئے کہ ایثار و قربانی سے سرشار یہ عظیم اجتماع بذات خود سرمایہ دارانہ نظام کی نفی کر رہا ہے۔وہ کیپٹیلزم جس کی بنیاد حرص و لالچ اور مال بٹورنے پر لگی ہوئی ہے، جس کا کام ذخیرہ اندوزی اور مسلمانوں کے ذخائر پر قبضہ کرنا وہ بھلا کیسے دیکھ پائے گا کہ عشق حسینی میں پیسے کو پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اور ہر ایک تمنا کرتا ہے کہ زائر حسینی اس کے ہاں مہمان بنے اور وہ بڑھ چڑھ کر اس کی خاطر مدارت کرے۔

مجھے یاد ہے جب ہم دو سال پہلے چہلم سیّد الشہداء علیہ السلام پر گئے تو راستے میں کئی مقامات پر گاڑی کو روکا گیا کہ وہاں کے لوگوں نے ہمیں اپنے ہاں رکنے کی اور کھانے و نیاز کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ برطانیہ سے بڑی عقیدت سے آئے ہیں اس لئے ہمیں اپنی میزبانی کا شرف بخشئے۔ بالآخر ایک بانی گاڑی کے آگے کھڑا ہو گیا کہ ہم اس وقت تک نہ جانے دیں گے جب تک آپ لنگر حسینی سے استفادہ نہ کریں۔ہم ناچار گاڑی سے اترے۔اس شخص کو پتہ نہیں تھا کہ ہمیں عربی بھی سمجھ آتی ہے۔میں نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو کہہ رہا تھا کہ دیکھو میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ برطانیہ سے زوّار میرے ہاں نیاز حسینی کھا رہے ہیں۔سرمایہ دار میڈیا کیسے ان باتوں کو نشر کر سکتا ہے۔اربعین حسینی میں یہ ایثار و قربانی سرمایہ داری کی کھلی نفی کرتا ہے۔اس لئے کی حسینی نظام میں تحرک و انقلاب اور الٰہی نظام کی سربلندی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ عالمی میڈیا اس عظیم واقعے پر کیوں خاموش رہا۔اس وقت نوجوانوں کے ذہن میں یہ سوال ضرور سر اٹھاتا ہے کہ لمحہ بہ لمحہ خبروں کی نشریات، یورپ اور مغرب میں کسی ایک ہلاکت پر، کتے بلی کی گمشدگی پر، کسی ملک کے سٹار کی طلاق و جنازہ یا نکاح پر بریکنگ نیوز چل جاتی ہے، مگر فرزند رسولؐ کے چہلم پر کروڑوں کے اجتماع کو بھی منظر سے غائب کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔تعصب کی بھی حد ہو گئی۔اگر کسی جگہ سو افراد بھی پیدل چلتے ہیں، چند سائیکل سوار مقابلے کرتے ہیں تو ان کی بھرپور کوریج ہوتی ہے۔کیا حضرت امام حسین علیہ السلام کسی خاص فرقے یا مکتب کے ساتھ مخصوص ہیں۔اگر کوئی یہ سوچتا ہے تو اس کی سوچ صحیح نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ سیّد الشہداء امام حسین علیہ السلام کا تعلق تمام عالم انسانیت کے ساتھ ہے۔جہاں جہاں بھی حریت و آزادی اور عدل و عدالت کی صدا بلند ہوتی ہے، وہاں وہاں

حسینیت کی صدائے بازگشت ہے۔کیا اسے کسی خاص مکتب ومذہب کی قید میں بند کیا جا سکتا ہے۔

جوش ملیح آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

حسینیت عالمی شعور کی بیداری کا نام ہے۔ جہاں شعور بیدار ہوتا ہے وہاں پیغام پہنچانے میں حق گوئی اور بے باکی ہوتی ہے۔ارشاد رب العزت ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝﴾

جولوگ پیغامات الٰہیہ کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں وہ خدا کے علاوہ کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتے اور حساب کیلئے صرف اللہ ہی کافی ہے۔[1]

حلال میڈیا میں یہی خصوصیت ہے کہ وہ پیغام رسانی میں زمانے کی دھونس اور دھاندلی سے نہیں ڈرتا، جبکہ حرام میڈیا لیت ولعل اور تذبذب کا شکار اور انسانی اقدار کی بجائے استبدادی طاقتوں کا ترجمان ہوتا ہے۔

حلال میڈیا میں شفافیت ہوتی ہے وہ مطالب کو توڑ مروڑ کر پیش نہیں کرتا جبکہ حرام میڈیا دھاندلی کرتا ہے اور وحشت دہشت پھیلاتا ہے۔وہ چونکہ خدا سے نہیں ڈرتا لہٰذا ہر ایک سے ڈرتا رہتا ہے۔

حرام میڈیا کے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ معاشرے میں وحدت واتحاد کی بجائے افراتفری و انتشار پھیلاتا ہے۔اس وقت کئی نشریاتی ادارے اغیار کی ایما پر کام کر رہے جن کا مطمع نظر فقط اور فقط اتحاد و وحدت کی فضا میں خلیج پیدا کرنا ہے۔اس کے کرتا دھرتا دوسرے مکاتب فکر کے مقدسات کی توہین کرتے ہیں، شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دے کر انہیں ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریباں کرتے ہیں اور دشمن کے ایجنڈے کو آگے بڑھاتے ہیں۔

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۳۹۔

داعش جیسے نام نہاد مسلمان گروہ بھی اس سازشی سوچ کی پیداوار ہیں۔اسی طرح لندن میں بھی ایسے گروہ تشکیل دیئے گئے ہیں جن کی نشریات شبانہ روز یا تو شیعہ کے مقدسات کو پامال کرنے، علماء ومجتہدین پر تبرا کرنے یا پھر اہل سنت کے مقدسات پر حملہ کرتی نظر آتی ہیں۔ ایسے نشریاتی ادارے اور گروہ حلال میڈیا کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ یہ حرام میڈیا ہیں جو اسلام وقرآن کے نام کو بدنام کرنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔لہٰذا ہوشیاری اور بیداری کی ضرورت ہے۔

تکفیری نشریات کی سونامی

''ٹیلی سیٹلائٹ'' کی رپورٹ کے مطابق اس وقت 20374 سٹیلائٹ چینل کام کر رہے ہیں اور ''یوروکنسلٹنٹ'' کے مطابق 2020ء میں ان کی تعداد 45000 ہزار تک جا پہنچے گی۔

اس وقت ہزاروں ویب سائٹس اور ہزاروں چینل اسلام کی حقانیت کے خلاف پروپیگنڈہ مہم چلا رہے ہیں۔اس میں تین سو تکفیری چینلز کی سونامی بھی شامل ہے جن کا واحد کام مکتب اہل بیتؑ اور تشیع کے خلاف کام کرنا ہے۔ان کی بڑی فنڈنگ بلین کے حساب سے ریالی گورنمنٹ نے اپنے ذمے اُٹھا رکھی ہے۔ان کی کارستانیوں سے دنیا دہل رہی ہے۔کونسا دہشت گروہ ہے جس کی فنڈنگ نہیں ہوتی؟ مگر عالمی استعمار کے ضمیر کے کئی معیار اور کئی چہرے ہیں۔افغانستان پر حملہ کیا کہ وہاں القاعدہ اور طالبان ہیں تو دوسری طرف شام میں انہی کی حمایت اور مدد کی جا رہی ہے۔آخر یہ ریال اور ڈالر والے کب تک بے گناہ انسانوں کے قتل عام میں مصروف رہیں گے؟ کیا انسانی حقوق کی تنظیموں کو اس کی خبر نہیں ہے؟ یا پھر انسانی حقوق کا قلمرو صرف یورپ اور مغرب تک محدود ہے؟ کیا مشرق وسطیٰ میں انسان نہیں بستے؟ یہ دہرے معیار کیوں ہیں؟ عالمی انسانی ضمیر اس بربریت پر خاموش کیوں ہے؟

اس وقت مکتب اہل بیتؑ کے ماننے والے شیعہ مسلمان جتنے مصائب وشدائد کے شکار ہیں اور ان پر جتنے حملے ہو رہے ہیں، شائد ہی اس پہلے ان کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا گیا ہو۔حرام میڈیا کے ذریعے ان کے خلاف ہر روز نفرتیں پھیلائی جا رہی ہیں۔تکفیری گروہ اس میں پیش پیش ہے جس کا بنیادی مقصد اسلام کے حقیقی چہرے کو مسخ کرنا اور اسلامی حقائق کو بدنام کرنا ہے۔ان کی ہزاروں ویب سائٹس

مکتب اہل بیت کے خلاف کام کر رہی ہیں جن کا مقصد اذہان میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، بالخصوص نوجوانوں کی ذہن ربائی اور شیعہ تہذیب وثقافت پر یلغار کرنا ہے۔اس ہدف کے حصول کیلئے صرف حج کے موقع پر کم از کم تین ملین کتابچے تیس سے زیادہ زبانوں میں حجاج کو مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ پاکستان اور دیگر ممالک میں کروڑوں کے حساب سے اسی طرح کی خدمتیں کی جاتی ہیں تا کہ شیعہ مکتب کی ثقافت اور تشخص کو بدنام کیا جا سکے۔مگر گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔اس لئے کہ اگر شیطانی مکروفریب اور حرام نشریاتی ادارے ہیں تو الٰہی اور حلال میڈیا بھی ہے۔ارشاد قدرت ہے:

﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾

اور ان لوگوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔[1]

اس سے پہلے بھی بڑے بڑے یزید گزر چکے ہیں جو اس نورِ الٰہی کو خاموش اور اس صدائے حق کو دبانا چاہتے تھے۔یہ لوگ کل تک جیسے شیعہ چاند سمجھتے تھے ان کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود یہ چاند اب بدر منیر بن چکا ہے۔ارشاد ہے:

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾

یہ چاہتے ہیں کہ نورِ الٰہی کو اپنی پھونکوں کے ذریعے بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو پھیلاتا رہے گا اگرچہ کافروں کیلئے ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔[2]

اس وقت حلال میڈیا بھی شیطانی میڈیا کے خلاف برسر پیکار ہے، اگرچہ انگشت شمار ہے مگر حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے اس فرمان کا مصداق ہے جس میں ارشاد ہے:

لَا تَسْتَوْحِشُوْا فِيْ طَرِيْقِ الْهُدٰى لِقِلَّةِ اَهْلِهٖ۔

ہدایت کے راستے پر گامزن ہو تو اہل ہدایت کی قلت سے مت گھبراؤ۔[3]

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۵۴۔

[2] سورۂ صف، آیت ۸۔

[3] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۰۱۔

جب ہم ہدایت وحق پر ہیں تو پھر تعداد کی قلت پر کیسا خوف؟!

استبدادی میڈیا حقائق اور واقعات کو چھپانے کی سرتوڑ کوشش کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں الٰہی وحلال میڈیا کی بھی ذمہ داری ہے کہ اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے واقعات وحقائق کو پیش کرے جس کی مثال اس دفعہ آپ نے کربلائے حسینی کے موقع پر مشاہدہ کی ہے۔

الحمدللہ ہدایت ٹی وی کی طرف سے اس عظیم وفقید المثال عالمی اجتماع کی براہ راست کوریج کیلئے باقاعدہ ایک ٹیم روانہ کی گئی جنہوں نے اس کے روح پرور مناظر پوری دنیا کو دکھائے۔ لوگ گھروں میں بیٹھ کر حسینی ولا سے سرشاران مراسم کو دیکھتے رہتے اور صدائے زینبی معجزہ بن کر سامنے آئی کہ ''یَزِیْدُ! لَا تَمْحُوْ ذِکْرَنَا'': ''اے یزید! تو کبھی ہمارے ذکر کو نہیں مٹا سکتا اور نہ ہم اہلبیتؑ کی محبت کو مومنین کے دلوں سے نکال سکتا ہے۔

الحمدللہ اس وقت الٰہی اور حلال میڈیا شجرہ طیبہ کی صورت اختیار کر چکا ہے کہ اس کی باقاعدہ ایک یونین بن چکی ہے جس میں ۸۰ سے زیادہ اسلامی ریڈیو اور ٹیلی ویژن چینلز شامل ہیں۔ ان سب نے اس دفعہ مراسم حسینی کی کوریج کی اور پیغام حسینی کو دنیا کے سامنے نشر کیا اور حق وحقانیت کے اس لازوال پیغام کو دنیا کے گوش وکنار تک پھیلا دیا۔ حق ہمیشہ سرفراز ہے اور ہمیشہ اس کا بول بالا رہے گا اور باطل کا منہ کالا ہوتا ہے اور رہے گا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا انقلاب حق وحقانیت کی بنیاد پر ہے جس میں کبھی زوال نہیں ہے، جبکہ یزیدیت کل بھی زوال پذیر تھی اور آج بھی زوال کا شکار ہے۔ حسینیت کل بھی زندہ باد تھی اور آج بھی زندہ باد ہے اور تا صبح قیامت زندہ وتابندہ ہے۔

خداوند عالم ہمیں علی علیہ السلام کی طرح جینا اور حسین علیہ السلام کی طرح مرنا سکھائے۔ آمین!

*****

یورپین دین یا اسلامِ محمدیؐ

حجۃ الاسلام مولانا سیّد شمشاد حسین رضوی
(ناروے)

ترقی یافتہ، متمدن اور پیشرفتہ یورپ میں مقیم مہاجرین اور شہریت رکھنے والے مسلمانوں اور مومنین کا ایک بڑا حصہ اپنے زُعمِ ناقص میں اب بھی ''رِند کے رِند رہے، ہاتھ سے جنت نہ گئی'' کے فارمولے پر عمل کرنے کیلئے کوشاں اور خود کو ترقی پسند ظاہر کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ مگر جب اولاد ہاتھ سے نکلنے لگتی ہے یا خاندان کا مکمل شیرازہ بکھرنے لگتا ہے تب سمجھ میں آتا ہے کہ ہم نے نوجوانی، جوانی اور ادھیڑ پن میں کیا کھویا اور کیا پایا۔ کبھی غصہ بچوں پر ہوتا ہے تو کبھی بیوی پر لعن وطعن یا اکثر برعکس ہوتا رہتا ہے کہ شوہر نامدار کے ساتھ غضب ناک حرکتیں یا پھر اُن پر محترمہ کی ڈانٹ پھٹکار۔ اور اگر ایسا احساس گھر کی کسی فرد کو نہ ہوا تو سمجھ لیجئے کہ آوے کا آوا ہی ٹیڑھا ہے۔

''نہ جانے کس کی نظر لگی یا نہ جانے کس نے جادو کر دیا میرے بیٹے پر۔۔۔! اب تو اس کا پڑھائی میں دل لگتا ہی نہیں'' اب تو میری بیٹی، بیٹوں کے رشتوں کے لالے پڑے ہوئے ہیں، کوئی ترکیب بتایئے کہ اچھے رشتے مل جائیں''۔۔۔! بچیاں ایک سے ایک ڈگری لئے بیٹھی ہیں، مگر پڑھائی کے مطابق کوئی مناسب لڑکا نہیں ملتا اور اگر ملتا بھی ہے تو ''سیّد'' نہیں یا پھر میری ''ذات'' یا ''اسٹینڈرڈ'' کا نہیں۔۔۔ ''بزنس اتنا آگے اور اوپر جا رہا تھا کہ اچانک گھاٹے پر گھاٹے ہو رہے''۔ میرے پاس جو لڑکا نوکری کرتا تھا وہ اب کتنے اسٹورز اور دوکانوں کا مالک ہو گیا ہے''۔۔ وغیرہ، وغیرہ جیسے کتنے جملے صبح شام کانوں کو کھائے جاتے ہیں۔۔۔!

اصل مسئلہ کی طرف توجہ نہیں کہ قرآنی فیصلہ کیا تھا اور کیا ہے یا کیا رہے گا۔ قرآن مجید نے سینکڑوں سال پہلے فرمادیا تھا:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ﴾

اور یہود اور نصاریٰ ہرگز آپؐ سے راضی نہ ہوں گے، یہاں تک کہ آپؐ ان کے دین کی اتباع نہ کرلیں۔[1]

یہ آیہ مجیدہ واضح طور پر بتا رہی ہے کہ یہودی و نصرانی آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک آپ انکی ''ملّت'' یعنی تہذیب و کلچر کو اپنا نہ لیں۔ شروع شروع یہی احساس کمتری تھی کہ اس معاشرہ میں کیسے ضم ہو جائیں؟ کیا کام کریں کہ گورے ہم سے راضی ہوں۔ چنانچہ ہر وہ کچھ کرنے کو تیار ہوئے، جو اُن کی منشا تھی یا جو جو وہ طلب کرتے گئے وہ وہ سمعاً و طاعۃً کہہ کر اپناتے اور قدم بہ قدم ملاتے چلتے گئے۔ دین و مذہب کیا ہے اور اس کے اصول و فروع کیا ہیں یا تو اس سے نابلد یا بہت ہی کم معلومات، اور اگر کچھ انفارمیشن باپ دادا یا والدین کی طرف سے ملی بھی تو مغربی دنیا کے دین سے ملا کر اپنا نیا دین جو دنیا سے ہم آہنگ تھا لے کر چلاتے رہے کہ کوئی بات نہیں۔۔۔ دونوں میاں، بیوی محسوس کرتے ہوئے جانتے ہیں کہ دین محمدیؐ کچھ اور ہے۔

پہلی کوشش اور فکر

اولین کوشش یہی تھی کہ یورپ یا امریکہ اور کنیڈا کا ویزا لگے اور پھولوں کی سیج سجے یا علاء الدین کے چراغ جلیں۔ اپنا ملک کاٹتا ہے یا واقعی مجبوری تھی کہ وطن چھوڑنا پڑا۔ بسا گھر برباد کیا، والدین کو چھوڑا، بچپن کے اچھے دوستوں کو خیرباد کیا۔ آنسوؤں کی جھڑیوں اور قرآن کے سایہ میں سفر شروع کیا اور جیسے ہی کسی مغربی ملک کے شہر میں قدم رکھا تو اقامت اور ریزیڈنس پرمٹ اور پھر چند سال کے بعد نیشنیلٹی کی تگ ودَو میں اوقات و اموال صرف کئے۔ سچ بولے یا نہ بولے، خدا جانے، کیا کیا جتن کئے اور اس میں کامیاب ہوئے تو پینتالیس پچاس (۴۵۔۵۰) سال گزرنے والے تھے کہ دل نے کہا کہ اب کچھ قبر

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۰۔

اور آخرت کیلئے بھی کر ڈالو۔۔۔ اس لئے کہ ہمارا دین محنت و تحقیق سے نہیں، بلکہ ہمارا مذہب ہمیں پیدائشی طور سے ملا تھا۔ مگر اب کیا ہوگا۔۔۔ وقت اب تو ''بادلوں'' کی طرح گزر گیا۔

کام جیسا بھی ہو کوئی پرواہ نہیں!

پیپر ٹھیک کرنے یا کرانے کے ساتھ ساتھ کام بھی ڈھونڈھتے رہے اور ادھر ادھر لوگوں سے زور لگوانے اور سفارش بھی کرانے کے ساتھ یہ بالکل فکر نہ تھی کہ کام حلال طریقے کا ہے یا حرام روزی ہے۔ ہماری تعلیم جو بھی ہے، کیا اسی سطح کا کام ملا۔ جو روزی رساں ہے اس سے کوئی لو نہ لگایا۔ اس پر کبھی بھی بھروسہ نہ کیا۔ قناعت پسندی کو نزدیک نہ آنے دیا۔ جس نے منہ دیا اور کھانے دینے کا وعدہ بھی کیا، اس کو چھوڑ کر دنیادار انسانوں کی خوش آمدیں، چاپلوسی اور جھوٹ سے روٹی کمانا شروع کر دی۔ کچھ زمانہ گزرنے اور نماز عید الفطر پڑھنے سے سمجھ میں آیا کہ ہم مسلمان ہیں۔ یا پھر سرکار سالار شہیداں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانیوں کے نتیجے میں کبھی ساتویں محرم سے دسویں تک اور بعض نے شب عاشور اور دس محرم اور بعض صرف عاشور کے جلوس کی حد تک۔ اس لئے کہ کاموں اور بزنس سے وقت نہیں ملا یا پھر کہیں ہمیں ان مجلسوں اور جلسات میں کوئی جاننے والا یا کوئی گورا دیکھ نہ لے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ خدا کی پناہ ایسی غلیظ و بدبودار فکر سے کہ اتنا گم ہو گئے کہ اپنے آپ کو بھلا دیا۔

ہمخوابی اور شراب کی لت

اگر وطن اور گھر سے تنہا چلے تھے تو یہاں مغرب کی دنیا میں ہمیں اپنا کون جانتا اور پہچانتا ہے۔ اب تو ویزا لگ گیا اور اگر نہیں لگا تو یہ بہترین طریقہ کہ کسی ''گوری'' کو پکڑو اور ساتھ ساتھ رہو، جو مغرب میں عیب نہیں۔ لفظِ ''متعہ'' سے کس قدر مغرب کو چڑ ہے۔۔۔! ہاں بغیر نکاح کے دس بیس کے ساتھ رہو یا روزانہ ایک ایک کو بدلو، کوئی بات نہیں۔ اسی قانون سے فائدہ اٹھا کر حلال و حرام کا کیا مسئلہ اور کلبوں میں جا کر جب کوئی مل گئی تو پھر کیا کہنا۔ شراب پینے کا ڈھنگ نہ تھا، کبھی مشرقی دنیا میں جام کو ہاتھ سے لگایا نہ تھا، اس لئے کہ گھر کا ماحول نہ تھا، اب کیسے پیتیں۔۔۔ تو اس نے سکھایا۔۔۔ یا خود سمجھے کہ ''کوکا کولا'' گلاس میں ڈال کر تھوڑی سی شراب ڈالو اور پینے کا چسکا لگے۔ یوں اب پینے پلانے کا دھندا چل پڑا اور

کامیاب بھی ہونے لگا۔ ہفتہ و اتوار کی رات اسی کے ساتھ ''جوا'' اور شراب ونوش کی محفل میں جانا، کباب و شباب کی رعنائیاں ملیں اور نصف شب سے زائد ڈھول ڈھمکا اور اُچھل کود، اُتھل پُتھل اور مستانی حرکتوں میں گزاری اور پھر مشرق کو بھولنے لگے۔ کبھی کبھی اماں ابا کو فون کر لیتے۔ سو اس سے بھی نجات مل گئی اور بقول اکبرالہ آبادی کے:

کھا کے تم کیک سویّوں کا مزہ بھول گئے

جھوٹ پر جھوٹ

نوکری مل گئی، جاب پر جانے لگے۔ دیکھا کہ یورپ کے بعض قوانین انسانیت کے لحاظ سے بہت اچھے ہیں تو اس سے فائدہ نہیں بلکہ سوءِ استفادہ کیا جائے، کبھی بیماری کے بہانے کام پر چھٹی کا فون کر دیا، کبھی اگر اپنا بزنس ہے اور اپنی بیوی دفتر اور دوکان میں کام کرتی ہی نہیں لیکن اس کا نام کام کرنے والوں میں لکھ کر تنخواہ لینا یا کبھی بیماری کا پیسہ لینا یا پھر آئندہ پینشن کا ریکارڈ درست کرنا شیوہ بن گیا۔ ٹیکس بچانا یا ادا نہ کرنا خلاف معمول تھا کہ کون جانے اور کون پکڑے گا۔ صرف اکاؤنٹینٹ سے اپنا سارا سمجھوتا ہو گیا۔

بیوی پر مظالم

اگر ویزا خود حاصل کیا اور خوش قسمتی سے اپنے وطن یا گھر اور خاندان سے شادی رچا کر واپس ہوئے تو ایک عرصے تک خوشگوار ماحول رہا اور پھر تھوڑی تھوڑی چپقلش شروع ہوئی تو اب بیوی کو طعنہ کہ میں تمہیں مغرب میں لایا ہوں ورنہ تمہیں کون پوچھتا اور تم کہاں یہ دنیا دیکھتی؟؟ لڑکی کے پورے خاندان کو ذرا سی دیر میں ہی اُلٹ ڈالا۔ ایسے الفاظ استعمال کئے کہ الفاظ بھی شرم کریں۔ کبھی ہوائی ٹکٹ اور پیسہ نہ دینے کی بات تو کبھی جہیز اور مالیات کے جھگڑے۔ اور یہ برابر کہنا کہ کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاؤ کہ تمہیں یہاں کے سسٹم کا پتہ نہیں۔ پیسہ سب کچھ اپنے ہاتھ میں، محدود کھانے پینے کی چیزوں کو گھر میں لانا اور خود باہر مزے اڑانا اور کھانا پینا۔ مار پیٹ، خاندانی وراثت یا بچپن کے ساتھیوں کی بری عادتیں ختم نہیں ہوئیں اور یورپ و امریکہ اور کنیڈا کے قوانین کو بالائے طاق رکھا کہ اگر ابھی پولیس اور متعلقہ اداروں کو خبر ہو جائے تو ان کی اتنی دُرگت ہو کہ اماں کا ''چھٹی کا دودھ'' یاد آ جائے مگر اس ''مظلومہ'' کو کون بتائے۔

ہاں تصویر کا دوسرا رُخ یہ بھی ہے کہ اگر لڑکی اور لڑکا اتفاق سے انہی ممالک کی پیدائشی ہیں اور شادیاں ہوئیں مگر والدین کی ذہنیت مشرقی ساس وخسر ہونے کی ہے تو پھر یہ بہو اپنے شوہر کیلئے کم اور گھر والوں کی خدمت کیلئے زیادہ ہوگی۔ اسی طرح لعن طعن اور لڑائی جھگڑے اور جہیز و پیسے کی مانگ سے آنے والی لڑکی کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے اور کوفت میں وہ کچھ دنوں تک میکے میں کچھ نہ کہہ کر حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہتی ہے مگر کب تک؟ آخر ایک دن صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا ہے اور ماں سے آنسوؤں کی لڑیوں سے گویا ہوجاتی ہے۔

شوہر پر احسان

مشرقی شوہر بے چارہ جس نے کبھی یورپ، امریکہ اور کینیڈا کو خواب میں بھی نہ دیکھا تھا، صرف شادی کی وجہ سے وارِ مغرب ہوا۔ اب کیا تھا کہ لڑکی کے والدین کے احسان الگ اور بیوی کے طعنوں میں صبح شام اضافے پر اضافہ: میں اب زبان سکھانے کی کلاس میں تمہیں لے جاؤں، بچوں کی طرح تم کو انگلی پکڑ پکڑ کر ہر جگہ لے جاؤں،۔ ڈرائیونگ بھی نہیں جانتے، خود کیوں نہیں نوکری ڈھونڈھتے، ہر وقت ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہتے ہو، بس استری کئے کپڑے مانگتے ہو، صبح اٹھ کر نوکر کی طرح ناشتہ دوں، مجھے تو جاب پر جانا ہے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر کبھی شوہر نے کچھ کہنے کی جرأت کی تو فوراً مغربی قوانین جو عورتوں کے حق میں ہیں اس کا حوالہ دیا کہ خبردار! بولے تو پولیس کو فون کردوں گی، جیل میں ڈلوادوں گی جس پر وہ چُپ سادھ کر بیٹھ گئے اور فلم یا سیریل میں گم ہوئے۔ شام کو بیگم جاب سے آکر تھکاوٹ کی باتیں یا نوکری میں ہوئی دن کی اچھی بری باتوں کے سلسلوں نے شوہر کا دل چھلنی کردیا۔ اب کھانا پکاتے بڑبڑاہٹ اور غصہ کہ الامان والحفیظ!

اولاد پر غصہ اور پٹائی

ماں باپ کی گھریلو چپقلش میں بچوں کا حشر برا ہوجاتا ہے۔ بات میاں بیوی کی اپنی اور غصہ بچوں پر یا پھر دھڑا دھڑ مار کٹائی۔ یہ تو کہئے کہ صابر بچے اسکول یا پڑوسیوں سے کہہ نہ سکے یا گھر کی عزت رکھنے کیلئے کسی سے بھی نہ کہا، مگر چہرے کے نشان اور آنکھ، کان، رخسار اور ہاتھوں کی چوٹ کو کس سے اور کب تک

چھپائے اور جب راز فاش ہوا تو اسکول اور بچوں کی حفاظت کرنے والے ادارے سرگرم ہوئے اور پھر بچے ماں باپ سے چھین لئے گئے۔

مساجد و مراکز اسلامی اور علمائے کرام سے دوری

آزاد خیالی، احساس کمتری جو وہ خود میں احساس برتری سمجھے تھے یا پھر فیشن اور جاب و بزنس کے بہانوں نے برسہا برس مساجد و مراکز اسلامی اور علمائے کرام سے دور رکھا۔ نہ کھانے میں حلال غذاؤں اور اس کی ملاوٹ کو جانتے اور نہ ہی پوچھنے کی توفیق ہوئی۔ انہی کھانوں نے جسم و روح پر اثر کیا اور خود بھی تباہ ہوئے اور نسلوں کی نسلیں برباد ہوگئیں۔ آخرِ عمر میں اگر خیال آیا تو سب کچھ بے سود اور بیکار۔ اب دُعا، تعویذ، گنڈا بیچنے والوں کے در پر حاضری میں امن و امان اور علاج ڈھونڈھنے کی لا حاصل کوششیں۔ جبکہ قرآن نے پہلے ہی اپنے ''شفا'' ہونے کا اعلان کیا تھا، مگر نہ کبھی خود قرآن پڑھا اور نہ ہی بچوں کو پڑھایا۔ بچوں کو انگلش میڈیم یا سرکاری اسکولوں کی تعلیم کے ساتھ قرآن و مادری زبان سکھانا عیب سمجھتے یا کہتے کہ بچے پر اتنا ویسے ہی اپنی کلاس کا بوجھ ہے اور پھر یہ بعد میں خود پڑھ لیں گے۔ حالانکہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اِقْرَأْ وَارْقَ'': ''قرآن پڑھو اور ترقی کرو''۔[1]

واضح رہے کہ اس حدیث میں دنیا و آخرت دونوں کی ترقی مقصود ہے۔

اسلامِ محمدیؐ ہی واحد راستہ ہے جس سے ہر صنف کو سکون و اطمینان مل سکتا ہے۔ امریکی اور یورپین اسلام میں دکھاوے، گمراہی اور طاغوتیت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لئے تمام مغربی مہاجر مسلمانوں اور پیروان اہلبیتؑ کیلئے لازم ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے مراکز اسلامی، مساجد اور علماء سے رابطہ بحال کریں اور قوانین قرآن اور فرامین محمد و آل محمد علیہم السلام پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا و آخرت بہتر بنائیں۔

*****

[1] الکافی، ج ۲، ص ۶۰۶۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

حجۃ الاسلام مولانا سیّد فدا حسین بخاری

آپ کا نام جندب بن جنادہ تھا۔ آپ قبیلہ بنی غفار سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی کنیت ''ابوذر'' تھی اس لئے آپ کو ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم المرتبت صحابی تھے اور آپ اسلام قبول کرنے والے چوتھے شخص ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ علم کا ظرف تھے اور زہد وتقویٰ اور حق گوئی میں تمام صحابہ میں ممتاز تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی صداقت کی گواہی ان الفاظ میں دی تھی:

مَآ اَظَلَّتِ الْخَضْرَآءُ، وَلَآ اَقَلَّتْ الْغَبْرَآءُ مِنْ ذِیْ لَهْجَةٍ اَصْدَقَ مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ۔

آسمان نے کسی ایسے شخص پر سایہ نہیں کیا اور زمین نے اپنی پشت پر کسی ایسے شخص کو نہیں اٹھایا جو ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سچا ہو۔[1]

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے زہد وتقویٰ کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهٗ أَنْ یَنْظُرَ اِلٰی شَبِیْهِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ خَلْقًا وَّ خُلُقًا،
فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ۔

جو شخص بھی صورت وسیرت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ دیکھنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ ابوذر غفاریؓ کو دیکھ لے۔[2]

---

[1] الاستیعاب، ج۱، ص۱۲۸۔

[2] المعجم الکبیر، طبرانی، ج۱، ص۱۴۹، حدیث ۱۶۰۳۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے کسی نے ابوذرؓ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

ابوذرؓ ایسا شخص ہے جس نے علوم دینی اور یقینی مسائل میں سے وہ مسائل وحقائق سمجھے اور یاد کیے جن کو سمجھنے سے دوسرے لوگ عاجز رہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس جا کر انہیں اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور غزوہ خندق کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہیں مستقل رہائش اختیار کی اور دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں جہاد کی غرض سے شام چلے گئے اور وہاں انہوں نے دین اسلام کے فروغ کیلئے بڑی جدوجہد فرمائی۔

ایمان کی داستان

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی نبوت کا اعلان کیا اور تبلیغ کا آغاز کیا تو مکہ اور اس کے گردونواح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا چرچا ہوا اور یہ آواز قبیلہ غفار کے لوگوں تک پہنچی۔ حضرت ابوذرؓ جن کے دل میں حقیقت اور سچائی کو پا لینے کی تڑپ تھی اور وہ حقیقت جاننے کیلئے بے چین تھے، اپنی سوکھی مشک میں پانی بھرا اور ناقے پر سوار ہو کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابوذرؓ مکہ پہنچے اور خانہ کعبہ میں داخل ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہیں رکھتے تھے۔ سورج غروب ہو گیا اور ابوذرؓ مسجد الحرام کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب اندھیرا چھا گیا۔ مسجد میں سکوت تھا۔ کچھ لوگ موجود تھے جو خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ عین اسی وقت حضرت علی علیہ السلام طواف کیلئے خانہ کعبہ تشریف لائے اور انہوں نے مسجد کے ایک گوشے میں ایک لاغر اندام، بلند قامت گندم گوں شخص کو دیکھا جس سر پر سیاہ عمامہ تھا اور وہ اپنی پرانی عبا میں لپٹے ہوا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم اس شہر میں اجنبی ہو؟ ابوذرؓ نے کہا: جی ہاں۔ امام علی علیہ السلام نے کہا کہ میرے ساتھ چلو گے۔ ابوذرؓ حضرت علیؑ کے ساتھ چل پڑے۔ حضرت علی علیہ السلام نے کچھ نہیں کہا اور گھر پہنچ گئے۔ ابوذرؓ نے رات بسر کی اور دوبارہ دوسرے روز صبح سویرے گلی کوچوں سے گزر کر مسجد میں پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتظار میں بیٹھ گئے۔ تین دن تک اسی طرح ہوتا رہا۔

آخر کار حضرت علی علیہ السلام نے پوچھا کہ بتاؤ گے نہیں کہ تمہارا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟ ابوذرؓ نے کہا کہ وعدہ کریں کہ کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ حضرت علی علیہ السلام نے کہا ٹھیک ہے بات کرو۔ ابوذرؓ نے کہا: میں نے سنا ہے کہ یہاں کسی نے نبوت اور رسالت کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے کہا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ ابوذرؓ نے کہا: میرا نام جندب بن جنادہ ہے کنیت ابوذر اور قبیلہ غفار سے ہوں۔ حضرت علیؑ نے کہا: تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو، خدا کی قسم! وہ اللہ کے رسول ہیں اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے وہ حق ہے۔ ہم ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اگر راستہ میں کوئی دشمن مل گیا تو میں دیوار سے لگ کر کھڑا ہو جاؤں گا اور تم آگے بڑھ جانا۔ حضرت علی علیہ السلام ابوذرؓ کو منزل کی طرف لانے کیلئے آگے آگے چل رہے تھے اور ابوذرؓ احساس شادمانی کر رہے تھے۔ حضرت علیؑ کوہ صفا کے قریب ایک دروازہ پر پہنچے اور ایک خاص انداز میں دق الباب کیا۔ ایک شخص نے دروازے سے جھانک کر دیکھا اور دروازہ کھول دیا۔ حضرت علیؑ اور ابوذرؓ اندر داخل ہو گئے۔ حضرت علی علیہ السلام ایک حجرے میں داخل ہوئے اور ابوذرؓ ان کے پیچھے چل رہے تھے کہ ایک مرتبہ ان کی نظر مجسم نور الٰہی پڑی۔ ابوذرؓ اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے آپؐ کو سلام کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا اور پوچھا: کہاں سے آئے ہیں۔ ابوذرؓ نے دبی ہوئی آواز میں کہا قبیلہ غفار سے حاضر ہوا ہوں۔ کچھ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ ابوذرؓ چشمہ ہدایت پر پہنچ گئے تھے۔ فوراً درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اسلام سے آشنا کرائیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم سچے دل سے کہو "لا الہ اللہ محمد رسول اللہ اور نماز قائم کرو"۔ ابوذرؓ نے شہادتین پڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے وطن واپس جاؤ اور اپنی قوم کی ہدایت کرو۔ جب تمہیں ہماری دعوت ملے تو آ جانا۔ ابوذرؓ اپنے قبیلہ کی طرف اسلام کے پہلے مبلغ مقرر ہوئے۔ یہ مبلغ اسلام ایسے جرأت مند اور شجاع تھے کہ سوچا سب سے پہلے انہی مکہ والوں میں ہی خدا کی وحدانیت اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا پرچار اور اپنے عقیدے کا اظہار کر کے جاؤں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جو مسلمان ہو چکے اور نور ایمان سے ان کا سینہ لبریز ہو چکا ہے اُٹھے اور سیدھے

مسجد الحرام کی طرف چل پڑے۔ مسجد میں قریش کے لوگوں کو دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا: اے گروہ قریش! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے اس وقت اسلام کا اظہار کیا اور حضرت رسول خدا ﷺ کی حمایت کا اعلان کیا کہ بنی ہاشم کے چند افراد کے سوا کوئی آنحضرت ﷺ کا حامی اور مددگار نہیں تھا۔ قریش نے پہلی مرتبہ اس طرح کی دعوت عام کو سنا۔ وہ ابوذرؓ پر ٹوٹ پڑے اور قتل کرنے کا ارادہ کرلیا تا کہ اس آواز حق کو ہمیشہ کیلئے بند کردیں۔

ابوذرؓ زمین پر بیہوش گر پڑے۔ قریش کے جوان ان کے سر و سینہ پر حملہ کر رہے تھے کہ وہاں عباس بن عبدالمطلبؓ آ گئے انہوں نے خود کو ابوذرؓ پر گرا دیا اور کہا: اے قریش! تم جانتے بھی ہو کہ کس کو مار رہے ہو؟ کیا تم جانتے ہو کہ یہ ایک غفاری آدمی ہے اور جب تم شام جاؤ گے تو غفار کی طرف سے ہی ہو کر گزرو گے۔ یہ سن کر وہ لوگ ابوذرؓ کو چھوڑ کر مسجد سے نکل گئے اور ابوذرؓ آہستہ آہستہ زمین سے اٹھے اور چاہ زمزم پر پہنچ کر اپنے جسم کے خون کو دھویا اور تھوڑا پانی نوش کیا۔ اس کے بعد اللہ کے گھر کی طرف بڑھے اور وہاں رسول خدا ﷺ کو دیکھا۔ رسول پاک ﷺ نے پوچھا: یہاں کب سے ہو؟ تم نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا۔ عرض کی: یا رسول اللہؐ! جب بھوک لگتی ہے تو تھوڑا پانی پی لیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام انہیں اپنے ساتھ لے گئے اور کھانا کھلایا۔

ابوذرؓ تین دن مسلسل مسجد الحرام میں آتے اور کلمہ حق بلند کرتے رہے اور مار کھاتے رہے۔ اس کے بعد رسول پاک ﷺ نے ابوذرؓ سے فرمایا: میں یثرب کو آباد کروں گا تم اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو۔ شاید اللہ تعالیٰ تمہارے وسیلے سے انہیں فائدہ پہنچائے اور اس کام کی تمہیں جزا عطا کرے۔ رسول کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے اور وہاں حکومت اسلامی قائم کی اور حضرت ابوذرؓ جنگ بدر و اُحد اور خندق کے بعد مدینہ آئے۔ حضرت ابوذرؓ نے اپنی قوم میں واپس جا کر پہلے اپنے بھائی انیس کو مسلمان کیا پھر اپنی والدہ رَملہ کو۔ ابوذرؓ اپنے گھر کے اسلام سے بے حد خوش ہوئے اور پھر اپنے قبیلہ میں تبلیغ اسلام شروع کی۔ رسول کریم ﷺ جب قبیلہ غفار کی طرف تشریف لائے تو انہوں

نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ رسول ﷺ کا استقبال کیا۔ خلاف بن رخصہ غفاری نے رسول پاک ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے قبیلہ کے واسطے ایک نوشتہ مرقوم فرمادیں۔

حضور ﷺ نے مرقوم فرمایا:

قبیلہ غفار ایک مسلمان قبیلہ ہے، فتح وظفر اور شکست میں سختی اور آسائش میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ ان کی جان ومال کی حفاظت اللہ کے رسول ﷺ کے ذمہ ہے۔ پیغمبر خدا ﷺ عہد کرتے ہیں اگر انہیں کوئی ستائے گا یا دست ستم ان کی طرف بڑھائے گا، تو ہم ان کی نصرت وحمایت کریں گے اور جب کبھی پیغمبر ﷺ انہیں اپنی نصرت اور مدد کیلئے طلب کریں گے تو رسول خدا ﷺ کی نصرت کرنا سب پر واجب ہوگا۔ اس عہدنامے میں تبدیلی گناہ کبیرہ تصور ہوگی۔

حضرت ابوذرؓ کا مدینہ کی طرف ہجرت کرنا

حضرت ابوذرؓ ایک دن مسجد میں نماز پڑھ کر مصلے پر بیٹھے تھے اور ان کے چہرہ پر غم واندوہ کے آثار نمایاں تھے۔ وہ قرآن کی سماعت کررہے تھے کہ قاری نے یہ آیات پڑھیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

ایمان والو کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کی طرف رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے، (وہ یہ ہے کہ) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور راہِ خدا میں اپنے جان ومال سے جہاد کرو کہ یہی تمہارے حق میں سب سے بہتر ہے اگر تم جاننے والے ہو۔ وہ تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور تمہیں ان جنتوں

میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور اس ہمیشہ رہنے والی
جنت میں پاکیزہ مکانات ہوں گے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان آیات کی تلاوت سنی تو مدینہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب ان کے بھائی انیس نے پوچھا کہ واپس کب آؤ گے تو ابوذرؓ نے کہا: اس مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا تو پھر کبھی ان سے جدا نہیں ہوں گا۔ مدینہ میں آ کر حضرت ابوذر علیہ السلام نے اصحاب صفہ کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ ہجرت کے بعد غزوہ بنی مصطلق کیلئے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔

شجاعت و وفاداری

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک بہادر اور شجاع انسان تھے میدان جنگ میں تنہا اترا کرتے تھے اور دشمن کو نشانہ بناتے۔ انہوں نے جنگ میں بنی لحیان اور ذی قرد میں اپنے آقا کے ساتھ مل کر تلوار چلائی اور اپنی شجاعت کی داد حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے لی۔ جنگ تبوک میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا اور شام کی طرف بڑھے تو کچھ نام نہاد مسلمانوں نے راستے سے واپسی اختیار کی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ناقہ کمزور تھا ایک جگہ گرمی میں بیٹھ گیا۔ ابوذرؓ نے بڑی کوشش کی لیکن وہ اٹھ نہ سکا جس پر انہوں نے اونٹ کو وہیں چھوڑ کر اپنا سامان اپنی پشت پر لادا اور مشک لئے آگے بڑھے۔ ایک جگہ نشیب میں بارش کا ٹھنڈا پانی نظر آیا۔ پانی کو چلو میں بھرا اور ہونٹوں کو لگایا کہ دل نے پکارا کہ ابوذرؓ مذہب عشق میں محبوب سے پہلے عاشق کیلئے کوئی چیز روا نہیں۔ تم اپنے محبوب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اس پانی کو نوش نہیں کرو گے۔ پس حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس پانی سے مشکیزہ بھرا اور بغیر پانی پیے اپنے سفر پر چل پڑے۔ ادھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ لوگوں نے اطلاع دی تھی کہ ایک شخص ہماری طرف آ رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شاید ابوذرؓ ہو۔ جب غور سے دیکھا گیا تو ابوذرؓ ہی تھے۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو گر پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر ابوذرؓ کے کاندھوں سے سامان ہٹایا اور فرمایا: ابوذرؓ کو پانی پلاؤ، پیاس سے ان کا برا حال ہے۔ ابوذرؓ نے عرض

[1] سورۂ صف، آیت ۱۰۔ ۱۲۔

کی: یارسول اللہؐ! میرے پاس پانی موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کے بندے! پانی کے ہوتے ہوئے کیوں پیاسے رہے؟ عرض کی: حضورؐ! آپؐ پر میرے ماں باپ قربان! میں نے پانی کو چکھا تو ٹھنڈا اور خوشگوار لگا، سوچا کہ آپ ﷺ اسے نوش فرمائیں تو آپ ﷺ کے بعد میں پیوں گا۔ حضور ﷺ نے تھوڑا پیا۔ اس کے بعد ابوذرؓ نے پانی پیا۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: ابوذرؓ! خدا تمہیں بخشے، تم تنہا زندہ رہو گے اور تنہائی میں تمہارا انتقال ہوگا اور تم تنہا اپنی قبر سے اٹھو گے۔

حضرت ابوذر علیہ السلام نے اُمّ ذر سے شادی کی تو اصحاب صفہ سے جدا ہو کر مدینہ کے باہر ایک کچے مکان میں اونچائی پر رہنے لگے۔ ابوذرؓ صحرائی آدمی تھے۔ ان کی عظیم روح شہری حدود میں کہاں سما سکتی تھی۔ وہ رات میں چمکتے ہوئے ستاروں کے مشاہدے سے خالق کائنات کی عظمت و کبریائی کی تسبیح پڑھتے رہے۔ حضرت ابوذر علیہ السلام رسول پاک ﷺ کے سچے اور مخلص صحابی تھے۔ رسول پاک ﷺ سے بہت سی روایات انہی کی زبانی نقل ہوئی ہیں۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا:

اس ذات کی قسم جس نے مجھ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے! ابوذرؓ زمین کی نسبت آسمانوں میں زیادہ محترم اور گرامی ہیں۔

اسلام عرب قبیلوں میں جڑ پکڑنے لگا۔ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ جزیرۃ العرب میں پرچم اسلام لہرانے لگا۔ حضرت رسول خدا ﷺ اپنے آدمیوں کو زکوٰۃ اور خراج وصول کرنے کیلئے بھیجتے۔ اب مسلمانوں کی حالت بہتر ہونے لگی۔ لوگوں کی بھوک ختم ہونے لگی۔ بیت المال سے ابوذرؓ کو بھی حصّہ ملتا، لیکن ابوذرؓ نے اپنے آقا مولا حضرت علی علیہ السلام کی طرح پارسائی کے شعار کو نہ چھوڑا اور اپنے حصے کو راہ خدا میں نیازمند افراد پر خرچ کر دیا کرتے۔

ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ کا گزر ہوا اور دیکھا کہ رسول پاک ﷺ کے پاس ایک شخص گفتگو کر رہا ہے۔ وہ دحیہ کلبیؓ کی شکل میں تھا۔ حضرت ابوذرؓ نے سوچا کہ مخل نہ ہوں، اس لئے گزر گئے۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے جو دحیہ کلبی کی شکل میں تھے، کہا: اگر ابوذرؓ ہمیں سلام کرتے تو ہم اس کے سلام کا

جواب دیتے۔رسول پاک ﷺ نے پوچھا: جبرائیلؑ! کیا تم ابوذرؓ کو پہچانتے ہو۔جبرائیل نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو مبعوث کیا ہے! ابوذرؓ آسمان میں زمین کی نسبت بہت زیادہ مشہور ہیں۔ رسول خدا ﷺ نے کہا: وہ کس طرح اس بلندی پر پہنچے؟ جبرائیلؑ نے عرض کی: وہ اپنی پرہیزگاری اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے اس جہان فانی سے وابستگی نہیں رکھتے۔

حضرت ابوذرؓ اور محبت اہل بیتؑ

حضرت ابوذر علیہ السلام اہل بیتؑ اطہار علیہم السلام سے محبت رکھنے والے اور مولا امیرالمومنین علی علیہ السلام کے خاص شیعوں میں سے تھے۔رسول پاک ﷺ کی رحلت کے بعد ابوذرؓ نے بھی وہ سب حالات دیکھے جو اہلبیت اطہار علیہم السلام کو پیش آئے۔

خلیفہ دوم کے زمانے میں شام میں رہتے تھے اور وہاں دین کی سچی تبلیغ کیا کرتے تھے۔لبنان اور اس کے گردونواح میں جو اہلبیتؑ سے محبت رکھنے والے شیعہ مسلمان ہیں وہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی تعلیمات کا نتیجہ ہیں۔

حضرت ابوذرؓ کی جلاوطنی اور وفات

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بے باک مبلغ تھے اس لئے جہاں بھی کسی برائی یا منکر کو دیکھتے فوراً امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرتے۔ان کی یہی بے باک تبلیغی روش کچھ لوگوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔آخر کار انہیں مدینہ سے جلاوطن ہونا پڑا اور حالات کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اہل مدینہ کو انہیں الوداع کہنے سے منع کر دیا گیا۔مگر اس کے باوجود حضرت علی علیہ السلام اپنے شہزادوں حضرات حسنین شریفین علیہما السلام، چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بنی ہاشم کی کچھ دیگر سرکردہ شخصیات کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے آئے اور اس موقع پر آپؑ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا اَبَا ذَرٍّ! اِنَّكَ غَضِبْتَ لِلّٰهِ، فَارْجُ مَنْ غَضِبْتَ لَهٗ، اِنَّ الْقَوْمَ خَافُوْكَ عَلٰى دُنْيَاهُمْ وَ خِفْتَهُمْ عَلٰى دِيْنِكَ، فَاتْرُكْ فِيْ اَيْدِيْهِمْ مَا خَافُوْكَ

عَلَيْهِ وَ اهْرُبْ مِنْهُمْ بِمَا خِفْتَهُمْ عَلَيْهِ. فَمَآ اَحْوَجَهُمْ اِلٰى مَا مَنَعْتَهُمْ وَ مَآ اَغْنَاكَ عَمَّا مَنَعُوْكَ وَ سَتَعْلَمُ مَنِ الرَّابِحُ غَدًا وَّ الْاَكْثَرُ حُسَّدًا وَّ لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرَضِيْنَ كَانَتَا عَلٰى عَبْدٍ رَتْقًا ثُمَّ اتَّقَى اللّٰهَ لَجَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْهُمَا مَخْرَجًا. لَا يُؤْنِسَنَّكَ اِلَّا الْحَقُّ وَ لَا يُوْحِشَنَّكَ اِلَّا الْبَاطِلُ. فَلَوْ قَبِلْتَ دُنْيَاهُمْ لَاَحَبُّوْكَ وَ لَوْ قَرَضْتَ مِنْهَا لَاَمَّنُوْكَ۔

اے ابوذرؓ! تم اللہ کی خاطر غصہ کر رہے ہو پس اسی سے اجر کی امید رکھو جس کی خاطر یہ اقدام اٹھا رہے ہو۔ اے ابوذرؓ! یہ قوم اپنی دنیا بچانے کیلئے تم سے خوفزدہ ہے اور تم ان سے اپنے دین کے بارے میں خطرہ محسوس کر رہے ہو۔ پس انہیں تمہاری وجہ سے جس چیز کے چھن جانے کا خوف ہے وہ انہی کے پاس رہنے دو اور جس چیز کے بارے میں وہ تمہیں خطرناک دکھائی دیتے ہیں وہ لے کر ان سے دور نکل جاؤ۔ (یاد رکھو!) جس چیز سے تم انہیں محروم کر کے جا رہے ہو انہیں اس کی کس قدر ضرورت ہے اور جس چیز سے انہوں نے تمہیں محروم کیا تم اس سے کتنے بے نیاز ہو۔ کل ہی تم جان لو گے کہ فائدہ میں رہنے والا کون ہے اور کس پر حسد کرنے والے زیادہ ہیں۔ اگر یہ آسمان و زمین کسی بندے پر تنگ پڑ جائیں اور وہ اللہ سے ڈرے تو وہ اس کیلئے زمین و آسمان کی راہیں کھول دیتا ہے۔ تمہیں صرف حق سے دلچسپی ہونی چاہیے اور صرف باطل ہی سے گھبرانا چاہئے۔ اگر تم ان کی دنیا قبول کر لیتے تو وہ تمہیں چاہنے لگتے اور تم اس میں کوئی حصہ اپنے لئے مقرر کرا لیتے تو وہ تم سے مطمئن ہو جاتے۔[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پریشان حالت میں ربذہ لائے گئے۔ یہاں ان کے رہنے کیلئے نہ کوئی مکان تھا اور نہ ہی کوئی سہولت میسر تھی۔ ربذہ میں تا حد نظر ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان کے بیٹے ذرؓ کی وفات ہوگئی اور ابوذرؓ بھی بیمار ہو گئے۔ ایک ننھی بچی کے علاوہ ان کے پاس کوئی نہیں تھا۔ اس مایوسی اور تنہائی کے عالم میں بچی کی جدھر بھی نگاہ اٹھتی ریت کے اٹھتے ہوئے بگولے نظر آتے آخر کار بچی مایوس ہو کر

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۳۰۔

باپ کے قریب بیٹھ گئی اور رونے لگی۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: پیاری بیٹی! تو کیوں رو رہی ہے؟ بچی نے کہا۔ بابا جان! سوچ رہی ہوں اگر صحرا میں آپ کی وفات ہوگئی تو آپ کو یہاں کفن کون دے گا اور غسل کون دے گا اور آپ کو دفن کون کرے گا؟ جبکہ میرے پاس تو آپ کو دینے کیلئے کفن تک موجود نہیں ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: جان پدر! تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی کہ عراق کے حاجیوں کا ایک قافلہ تجھے غسل و کفن دے گا۔ جب میں مر جاؤں تو تم راستے پر بیٹھ جانا۔ کچھ دیر بعد عراق سے عازمین حج کا ایک قافلہ آئے گا ان سے کہنا کہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ابوذرؓ کی بیٹی ہوں۔ میرے والد کی وفات ہو چکی ہے تم انہیں غسل و کفن دو۔ چنانچہ باپ کی وفات کے بعد مظلوم بچی نے باپ کی وصیت پر عمل کیا اور راستے پر آ کر بیٹھ گئی۔ اتنے میں اہل عراق کے حجاج کا قافلہ وہاں سے گزرا تو بچی نے اپنی داستان مظلومیت انہیں سنائی۔ اس قافلہ میں مالک اشترؓ بھی موجود تھے۔ وہ اترے اور صحابی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی اور انہیں وہاں دفن کیا اور مظلوم بچی کو اپنے ساتھ لے گئے۔

تو زہد جہاں کا قبلہ ہے اے قلب ابوذر غفاریؓ
واللہ! کہ تیرا فقر رہا دنیائے حکومت پر بھاری
تو ہے وہ خطیب عرفانی دل دہل گئے جس کے خطبوں سے
صحرائے عرب کی ریتی میں گل کھل گئے جس کے خطبوں سے

(احسان امروہوی)

✲✲✲✲✲

بھیڑ میں تنہا

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن معروفی

''انسان دنیا میں تنہا آیا ہے اور تنہا جائے گا''، یہ زبان زد خاص و عام ایک ایسا محاورہ ہے جو خود اپنے آپ میں جہاں تحریر ہے وہیں تفسیر بھی ہے۔ یعنی ایک ایسی سچی اور واضح حقیقت ہے جو محتاج دلیل وثبوت نہیں ہے۔ مگر انسانوں سے بھری دنیا میں وہ اکیلا اور تنہا ہے۔ یہ سامنے دکھائی دینے والی سچائی نہیں ہے، بلکہ یہ وہ درد، اذیت، تکلیف اور ٹیس ہے جسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یعنی بھیڑ میں اکیلا پن۔ تنہائی کے اس سناٹے کو اس خوفناک چیخ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جس سے انسانی کلیجہ پانی ہوجائے۔

انسان تنہا اور الگ ہوجانے کو آزادی تصور کرتا ہے۔ اسی لئے بہت جلدی رشتے توڑ دیتا ہے کہ نہ رشتہ رہے گا اور نہ رشتے کی قید۔ وہ سمجھتا ہے کہ رشتہ قید ہے، جبکہ ''تنہائی'' سب سے زیادہ اذیت ناک قید ہے۔ اسی لئے قانونی زبان میں بھی سب سے سخت قید کو ''قیدِ تنہائی'' کا نام دیا گیا ہے۔ مگر قانونی قید تنہائی انسانوں کی بھیڑ میں چھوڑے رکھنے سے حاصل نہیں ہوسکتی ہے، بلکہ یہ انسانی جھرمٹ سے نکال کر انسانی بستی سے دور مضبوط ومحفوظ حصار میں ڈال دینے کا نام ہے۔ اب اگر کوئی انسان انسانوں میں رہتے ہوئے ان سے سارے رشتے توڑ کر خود کو اپنے خیالات کے حصار میں قید کرلے تو اس کا کرب کیا ہوگا۔ اگر اس کرب کو نزدیک سے دیکھنا چاہتے ہیں تو قرآن کی دعوت ﴿سِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾[1]: ''دنیا گھومو اور دیکھو'' پر لبیک کہنا چاہیے اور اگر رشتوں کی ڈور توڑ کر بکھر کے تنہا ہوجانے کے کرب ودرد کی چیخ

---

[1] سورۂ انعام، آیت ۱۱۔

سننا چاہتے ہیں تو بڑی بڑی بلڈنگوں میں اور ترقی یافتہ ممالک کے باشندوں کو جانوروں سے دل بہلاتے دیکھ لیں، یہ تنہائی کی چیخ نہیں تو اور کیا ہے۔

انسان ہر طرف سے رشتوں میں گھرا ہوا ہے۔ مخلوق ہونے کے اعتبار سے سب سے پہلے اس کا اپنے خالق سے رشتہ ہے، جن گودوں میں پروان چڑھا ہے ان والدین سے رشتہ ہے، ڈھیر سارے نسبی اور سببی رشتے ہیں۔ زمین و زماں، مکین و مکاں، آب و ہوا، شجر و حجر، عالم و جاہل، امیر و فقیر، زن و مرد، بوڑھے و جوان۔ یعنی انسان معاشرے میں ان گنت رشتے اور رشتوں کے حقوق میں حقوق کی ان دیکھی کرنا، رشتہ توڑنا ہوتا ہے اور رشتہ توڑنا ہی اپنے کو تنہا کرنا ہے اور تنہا ہونا مصیبت کو دعوت دینا ہے۔

دنیا کے دانشوروں کا یہ نظریہ ہے کہ اس وقت جو ساری دنیا میں خون ریزی، جنگ و فساد، ہنگامے، قتل و غارت گری اور روزانہ بڑھتے جرائم کا بازار گرم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ روحانی و جسمانی تقاضوں میں تناسب اور توازن باقی نہیں رہا۔

یہ صحیح ہے کہ آج کے انسانوں نے دنیا کو تسخیر کر لیا ہے، سمندروں کی تہوں تک اس کی رسائی ہو چکی ہے، وہ چاند پر کمند ڈال چکا ہے، لیکن مادی اعتبار سے مالا مال ہونے کے باوجود معنوی اعتبار سے بالکل فقیر ہے اور اسی فقیری نے انسان کو تنہا کر دیا ہے۔ اس تنہائی کو دور کرنے کیلئے اوراد و اذکار نہیں ہیں، بلکہ جب تنہائی سبب وحشت ہو جائے تو ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾[1] یاد خدا کو اپنا ساتھی بنانا چاہیے، ورنہ عام معاشرتی زندگی میں رشتوں کے حقوق ادا کرتا رہے تو جانوروں سے تنہائی دور کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

ایک انسان کی تمناؤں کو جمع کیا جائے تو شاید انہی چند باتوں میں محدود نظر آتی ہیں:

۱۔ مالی سکون ۲۔ صحت کے ساتھ نسبتاً طویل عمر ۳۔ عزت و شہرت

سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ يَضْمَنْ لِيْ بِرَّ الْوَالِدَيْنِ وَ صِلَةَ الرَّحِمِ . اَضْمَنْ لَهٗ كَثْرَةَ الْمَالِ وَ

---

[1] سورۂ رعد، آیت ۲۸۔

زِيَادَةَ الْعُمُرِ وَ الْمَحَبَّةَ فِي الْعَشِيْرَةِ۔

جوکوئی مجھے اپنے والدین کے ساتھ نیکی اور خونی رشتوں کو جوڑے رکھنے کی ضمانت دے،
میں اسے مال اور عمر میں برکت، گھر اور خاندان کے دلوں میں اس کی محبت وعزت کی
ضمانت دیتا ہوں۔[1]

یعنی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ورسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات اور حکم پر عمل کرتے ہوئے انسان رشتے اور حقوق کی ادائیگی پر عمل پیرا رہے تو تنہائی کی قید واذیت سے آزاد ہوکر دنیا وآخرت کا سکون پاسکتا ہے۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے:

كُنْ مَعَ اللهِ بِالصِّدْقِ۔

اللہ کے ساتھ صدق وصداقت کا رویہ رکھو۔

یعنی اگر انسان کا اپنے خالق ومالک سے سچا رشتہ ہوگا تو اسے کبھی بھی تنہائی کا شکوہ نہیں ہوگا۔اس لئے کہ ﴿هُوَ مَعَكُمْ﴾[2]: ''وہ تمہارے ساتھ ہے''، ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾: ''یاد خدا سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔اسی طرح حدیث میں ملتا ہے:

وَ كُنْ مَعَ النَّفْسِ بِالْقَهْرِ۔

اپنے نفس کو مغلوب رکھو۔

اپنے نفس کے ساتھ رشتہ ہے مگر اس رشتہ میں نفسیات وخواہشات کو عقل پر غلبہ حاصل نہیں ہونا چاہئے ورنہ نفس تنہا کر کے چھوڑ دے۔

پھر ارشاد ہے:

وَ كُنْ مَعَ الْعَالِمِ بِالسُّؤَالِ۔

---

[1] مستدرک الوسائل، ج ۱۵، ص ۱۷۶۔

[2] سورۂ حدید، آیت ۴۔

عالم کے ساتھ رہ کر اس سے سوال کرتے رہو۔

یعنی ایک عالم وآگاہ سے تعلق رکھنا چاہیے، لیکن خاموش تعلق نہیں، بلکہ اپنے جہل کو دور کرتے رہنے کا رشتہ ہونا چاہیے تاکہ نادانی کی تاریکی سے علم وآگاہی کی روشنی میں آنا نصیب ہو سکے۔

پھر ارشاد ہے:

وَ كُنْ مَعَ الْجَاهِلِ بِالسُّكُوْتِ۔

جاہل کے ساتھ رہ کر خاموشی اختیار کرو۔

معاشرے میں جاہل بھی ہوتے ہیں اگر ان کا سامنا ہو جائے تو ان کے ساتھ خاموشی کا رشتہ رکھنا چاہیے۔ اس لئے کہ جواب جاہلان باشد خموشی، یعنی ایک خاموشی ہزار جواب۔

پھر فرماتے ہیں:

وَ كُنْ مَعَ الصَّغِيْرِ بِالشَّفَقَةِ۔

چھوٹوں سے شفقت کا رشتہ رکھو۔

اس لئے کہ بڑے ہو کر وہ تمہارا احترام کریں گے اور اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

پھر فرماتے ہیں:

وَ كُنْ مَعَ الْكَبِيْرِ بِالْخِدْمَةِ۔

بڑوں کی خدمت کرو۔

یعنی بڑوں سے خدمت کرنے کا رشتہ رکھنا چاہیے۔ اس سے بڑوں کی دُعائیں ملتی ہیں اور دُعاؤں سے کامیابیاں نصیب ہوتی ہیں۔

بہر حال گفتگو کا ماحصل ونتیجہ یہ ہے کہ رشتوں کو توڑ کر آدمی بھیڑ میں بھی تنہا ہو جاتا ہے اور رشتوں کو جوڑے رکھنے سے اکیلے میں بھی کارواں ہوتا ہے۔

✲✲✲✲✲

امام جعفر صادق علیہ السلام کے اخلاق کے چند نمونے[1]

صادقین فاؤنڈیشن

زیر نظر مقالے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اخلاق کریمہ کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

شکرِ نعمت کی اہمیت

معاویہ بن وہب کہتے ہیں:

میں مدینہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ آپؑ اپنی سواری پر سوار تھے۔ کچھ دور جا کر آپؑ اچانک سواری سے اتر گئے۔ ہم بازار یا بازار کے نزدیک جانے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن امام علیہ السلام وہیں راستے میں سجدہ میں چلے گئے کافی دیر تک سجدے کی حالت میں رہے۔ میں انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ آپؑ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ میں نے عرض کی: میں آپؑ پر قربان! میں نے دیکھا کہ آپؑ اچانک سواری سے اترے اور سجدہ میں چلے گئے؟ فرمایا: مجھے اپنے خدا کی نعمتیں یاد آ گئی تھیں۔ میں نے عرض کی: بازار کے نزدیک، وہ بھی رفت و آمد کی جگہ پر؟ فرمایا: گھبراؤ نہیں، مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔[2]

غیر شیعوں کی مدد

معلّٰی بن خنیس کہتے ہیں:

حضرت امام صادق علیہ السلام ایک شب کہ جس میں ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی بنی ساعدہ کے سائبان میں

---

[1] بشکریہ از: صادقین فاؤنڈیشن ویب سائٹ (http://www.sadeqeen.com)۔

[2] وسائل الشیعۃ، ج ۹، ص ۴۰۸۔ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۰۔

جانے کیلئے بیت الشرف سے باہر نکلے۔ میں آپؑ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ اچانک آپؑ کے ہاتھ سے کوئی چیز گری جس پر آپؑ نے بسم اللہ پڑھ کر فرمایا: خداوندا! اس کو ہماری طرف پلٹا دے۔ میں آگے بڑھا اور آپؑ کو سلام کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: معلّٰی ہو؟ میں نے عرض کی: جی حضورؑ، میں آپؑ پر قربان! فرمایا: تم بھی اس چیز کو تلاش کرو کہ اگر مل جائے تو مجھے دیدو۔ چنانچہ میں نے غور سے دیکھا تو وہاں چند روٹیاں زمین پر بکھری ہوئی نظر آئیں۔ میں نے انہیں اٹھا کر امام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ میں نے دیکھا امام علیہ السلام کے ہاتھوں میں روٹیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا تھا۔ میں نے عرض کی: لائیے، مجھے دیدیجئے میں اسے اٹھالیتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، بہتر ہے کہ میں ہی اسے اٹھائے رہوں، ہاں تم بھی میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ ہم بنی ساعدہ کے سائبان پر پہنچے۔ یہاں چند لوگ پڑے سو رہے تھے۔ امام علیہ السلام نے ہر شخص کے سرہانے کے نیچے ایک یا دو روٹیاں رکھیں۔ اس موقع پر میں نے عرض کی: میں آپؑ پر قربان! کیا یہ لوگ حق کو پہچانتے ہیں؟ فرمایا: اگر وہ حق کو پہنچانتے ہوتے تو انہیں روٹی کے ساتھ نمک بھی دیتا۔[1]

رشتہ داروں کی مدد

ابوجعفر خثعمی کہتے ہیں:

ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے پیسوں کی ایک تھیلی دی اور فرمایا: اسے خاندان بنی ہاشم کے فلاں شخص تک پہنچادو، لیکن اس سے یہ نہ بتانا کہ میں نے بھیجی ہے۔ ابوجعفر کہتے ہیں: میں نے وہ تھیلی اس شخص تک پہنچادی اور اس نے وہ تھیلی لے کر کہا: خداوند عالم اس تھیلی کے بھیجنے والے کو جزائے خیر دے۔ وہ ہر سال یہ پیسے میرے لئے بھیجتا ہے جس سے میں اپنے سال بھر کے اخراجات چلاتا ہوں لیکن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھ لیں کہ وہ اتنے مال و دولت کے باوجود بھی میری کوئی مدد نہیں کرتے!۔[2]

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۸۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۱۴۴۔

[2] مناقب، ج ۴، ص ۲۷۳۔ بحار الانوار، ج ۴۷۔

اعلیٰ ظرفی

ایک حاجی مدینہ میں (مسجد نبوی میں) سو گیا اور جب بیدار ہوا تو اس نے یہ گمان کیا کہ کسی نے اس کی تھیلی چرالی ہے۔ وہ اس تھیلی کی تلاش میں دوڑا۔ اس نے کچھ فاصلے پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ امام علیہ السلام کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ امام علیہ السلام سے الجھ گیا اور کہنے لگا: میری تھیلی تم نے اٹھائی ہے! امام علیہ السلام نے فرمایا: اس میں کیا تھا؟ اس نے کہا: ایک ہزار دینار، امام علیہ السلام اس کو اپنے گھر لے آئے اور ہزار دینار عطا کر دیئے۔ مگر جب وہ شخص اپنی جگہ واپس پہنچا تو اسے اس کی تھیلی مل گئی۔ وہ شرمندہ ہو کر امام علیہ السلام کے وہ ہزار دینار واپس کرنے کیلئے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، لیکن امام علیہ السلام نے وہ مال لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ہم جو چیز دے دیا کرتے ہیں، اُسے واپس نہیں لیتے۔ بعد ازاں اس نے کسی سے پوچھا: ایسے کرم و احسان والی یہ ہستی کون ہے؟ تو اس کو بتایا گیا: یہ امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ اس نے کہا: یہ کرامت و رفعت انہیں کو زیب دیتی ہے۔[1]

اپنی حاجت بیان کرو

ایک دفعہ اشجع سلمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ امام علیہ السلام بیمار ہیں۔ پس وہ آپؑ کے پاس بیٹھ گئے اور بیماری کی وجہ کے بارے میں سوال کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے بیماری کی وجہ معلوم نہ کرو، بلکہ اپنی حاجت بیان کرو۔ یہ سن کر اس نے اشعار کی صورت امام علیہ السلام کی سلامتی کیلئے دُعا مانگی۔ امام علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز موجود ہے؟ اس نے کہا: مولا! چار لاکھ دینار ہیں۔ فرمایا: یہ سب اشجع کو دے دو۔[2]

شفقت و مہربانی کی انتہا

ایک مرتبہ سفیان ثوری حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیکھا کہ امام علیہ السلام کے چہرہ مبارک کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ آپؑ سے اس کی وجہ معلوم کی تو فرمایا: میں ہمیشہ منع کرتا رہتا ہوں کہ

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۴۔ مستدرک الوسائل، ج ۷، ص ۲۰۶۔

[2] بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۴۔

اہل خانہ گھر کی چھت پر نہ جائیں، لیکن جیسے ہی گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ میری ایک کنیز جو بچہ کی دیکھ بھال اور تربیت کی ذمہ دار تھی، بچے کو گود میں اٹھائے زینہ سے چھت کی طرف جا رہی تھی۔ جیسے ہی اس نے مجھے دیکھا ڈر کے مارے کانپنے لگی اور گھبراہٹ میں بچہ اس کے ہاتھوں سے گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ البتہ میرے چہرے کے رنگ بدلنے کی وجہ بچہ کی موت کی نہیں، بلکہ وہ کنیز ہے جواب تک سہمی ہوئی ہے، حالانکہ میں اسے دو مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ: تو راہ خدا میں آزاد ہے، تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔[1]

اپنے سارے مسائل لوگوں سے بیان نہ کرو

مفضل بن قیس کہتے ہیں:

میں حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ کی خدمت میں اپنی زندگی کے بعض نا مساعد حالات کی شکایت کی اور آپؑ سے دُعا کی درخواست کی۔ امام علیہ السلام نے اپنی کنیز سے فرمایا: وہ تھیلی جو ابو جعفر نے ہمیں دی تھی وہ لے کر آؤ۔ پھر مجھ سے فرمایا: یہ چار سو دینار ہیں، ان سے اپنی پریشانیوں اور مشکلوں کو برطرف کرو۔ میں نے عرض کی: میں آپؑ پر قربان! میرا پیسے لینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تو صرف آپؑ سے دُعا کی درخواست کیلئے حاضر ہوا تھا۔ فرمایا: میں تمہارے لئے دُعا بھی کروں گا، لیکن جن مشکلات میں تم مبتلا ہو ان کو لوگوں سے بیان نہ کرو، ورنہ تم ان کے سامنے ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔[2]

مہمان کا احترام

عبداللہ بن یعفور کہتے ہیں:

ایک دفعہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک مہمان کو دیکھا۔ وہ کچھ کرنے کیلئے اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تو امام علیہ السلام نے اس کو روک دیا اور خود وہ کام انجام دے دیا اور فرمایا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہمان سے کام کرانے سے منع فرمایا ہے۔[3]

---

[1] العدد القویۃ، ص ۱۵۵۔ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۴۔

[2] بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۳۴۔ مستدرک الوسائل، ج ۷، ص ۲۲۶۔

[3] اصول کافی، ج ۶، ص ۲۸۳۔ وسائل الشیعۃ، ج ۲۴، ص ۳۱۵۔

دو فقیروں کے ساتھ مختلف سلوک

مسمع بن عبدالملک کہتے ہیں:

میں منیٰ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپؑ اپنے چند شیعوں کے ساتھ بیٹھے انگور تناول فرما رہے تھے۔ اچانک ایک فقیر آیا اور اس نے حضرتؑ سے مدد کی درخواست کی۔ آپؑ نے اس کو انگور دینا چاہے تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر مجھے پیسہ دیں گے تو لے لوں گا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: (پھر) پیسے تو تجھے خدا ہی دے گا۔ یہ سن کر سائل چل دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور کہا: اچھا انگور ہی دے دیجئے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اب وہ بھی خدا ہی تجھے عنایت کرے گا۔ جس پر وہ خالی ہاتھ لوٹ گیا۔ کچھ دیر بعد ایک دوسرا فقیر آیا اور اس نے (بھی) مدد مانگی۔ امام علیہ السلام نے انگور کے ایک خوشہ سے تین انگور اٹھا کر اس کو دیئے۔ اس فقیر نے ان تین دانوں کو لے کر کہا: اس خدا کا شکر جس نے مجھے رزق عنایت فرمایا۔ امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: صبر کرو، اور آپؑ نے مٹھی بھر کر انگور اُٹھائے اور اسے دیئے۔ اس نے دوبارہ کہا: خدا کا شکر، جس نے مجھے رزق عنایت فرمایا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: صبر کرو، اور اپنے خادم سے کہا کہ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟ اس نے ۲۰ درہم لا کر دئے اور کہا کہ میرے پاس یہی تھے، امام علیہ السلام نے وہ بیس درہم اس فقیر کو دیدئے۔ فقیر بیس درہم لیتے ہی بول اٹھا: تمام تعریف اللہ کیلئے ہے، (خدایا) یہ عطا و بخشش تیری طرف سے ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ امام علیہ السلام نے اس کا یہ معرفت بھرا جملہ سنا تو فرمایا: ذرا ٹھہرو، اور امام علیہ السلام نے اسے اپنا پیراہن عطا کرتے ہوئے فرمایا: لو اس کو پہن لو۔ اس نے پیراہن لیا اور پہن کر کہا تمام تعریف اس پروردگار سے مخصوص ہیں جس نے مجھے لباس عطا کیا۔ پھر آپؑ سے مخاطب ہو کر عرض کی: یا اباعبداللہؑ! خدا آپؑ کو جزائے خیر عنایت فرمائے!۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔ ہم سوچ رہے تھے کہ اگر وہ امام علیہ السلام کے پاس سے نہ جاتا تو امام علیہ السلام مسلسل اس کو عطا کرتے رہتے، کیونکہ جب بھی آپؑ اس کو عطا کرتے تھے تو وہ امام علیہ السلام کی عطا پر خدا کا شکر بجالاتا تھا۔[1]

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۹۔ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۴۲۔

دُعااوررازونیاز

عبداللہ بن یعفور کہتے ہیں:

ایک دفعہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ آپؑ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے ہوئے یہ دُعا پڑھ رہے تھے:

رَبِّ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ اَبَدًا، لَآ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْثَرَ۔

پروردگارا! مجھے پل بھر یا اس سے بھی کم یا اس سے زیادہ (کسی بھی وقت)، مجھے میرے حال پر نہ چھوڑنا۔

یہ دُعا پڑھتے ہوئے آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جو آپؑ کی ریش مبارک تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد میری طرف رخ کر کے فرمایا: اے ابن یعفور! خداوند عالم نے یونس بن متیٰ کو ایک پل کیلئے ان کے اوپر چھوڑ دیا تھا جس کا وہ بھیانک نتیجہ نکلا۔ میں نے عرض کی: کیا انہوں نے خدا کی ناشکری بھی کی تھی؟ آپؑ نے فرمایا: نہیں، لیکن اس حالت میں مرنا ہلاکت ہے۔[1]

مصیبت پر صبر

قتیبہ اعشیٰ کہتے ہیں:

میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند کی عیادت کیلئے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ کو گھر کے دروازہ پر رنجیدہ اور پریشان پایا۔ میں نے عرض کی: میں آپؑ پر قربان! بچے کی حالت کیسی ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! اس کی حالت بہت زیادہ پریشان کن ہے۔ اس کے بعد امام علیہ السلام بیت الشرف تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو آپؑ کے چہرہ مبارک پر حزن وملال کی بجائے مسرت وخوشی کے آثار تھے۔ میں سمجھا کہ بچے کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ میں نے عرض کی: میں آپؑ پر قربان! (اب) بچہ کی کیا حالت ہے؟ آپؑ نے فرمایا: وہ دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ میں نے عرض کی: میں آپؑ پر قربان! جب وہ زندہ تھا تو آپؑ رنجیدہ اور پریشان تھے اور اب جبکہ وہ انتقال کر چکا

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۵۸۱۔ بحار الانوار، ج ۷۴۔

ہے تو آپؑ اس عالم میں ہیں؟ آخر ماجرا کیا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم اہل بیت مصیبت سے پہلے آہ وفغان کرتے ہیں، لیکن جب قضائے الٰہی جاری ہوجاتی ہے تو اس کی قضا پر راضی ہوجاتے ہیں اور اس کے امر کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے ہیں!۔[1]

کم عبادت پر جنت

ابوبصیر بیان کرتے ہیں:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: ایک دفعہ میں طواف خانہ کعبہ کر رہا تھا کہ میرے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام میرے پاس سے گزرے۔ میں جوانی کی وجہ سے کافی زور لگا رہا تھا جس کی وجہ سے میں پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ آپؑ نے مجھ سے فرمایا: میرے فرزند جعفرؑ! جب خداوند عالم کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو بہشت میں لے جاتا ہے اور اس کے کم عمل کو بھی قبول کر لیتا ہے۔[2]

اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ مہربانی

حفص بن عائشہ کہتے ہیں:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام کیلئے بھیجا۔ اس نے آنے میں دیر کی۔ امام علیہ السلام کچھ دیر تک اس کا انتظار کرنے کے بعد اس کی تلاش میں نکلے اور کچھ دور جا کر دیکھا کہ وہ ایک جگہ پڑا سو رہا تھا۔ آپؑ اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس کو پنکھا جھلانے لگے۔ یہاں تک کہ وہ نیند سے بیدار ہو گیا۔ آپؑ نے اس کی کوئی سرزنش نہ کی، بس اتنا فرمایا: اے فلاں! یہ سونے کا کوئی مناسب وقت نہیں ہے۔ تو رات میں بھی سوتا ہے اور دن میں بھی؟ رات میں آرام کرو اور دن میں ہمارے کاموں کو انجام دو۔[3]

---

[1] اصول کافی، ۳، ص ۲۲۵۔ وسائل الشیعۃ، ج ۳، ص ۲۷۵۔

[2] اصول کافی، ج ۲، ص ۸۶۔ وسائل الشیعۃ، ج ۱، ص ۱۰۸۔

[3] اصول کافی، ج ۸، ص ۸۷۔ مجموعہ ورام، ج ۲، ص ۱۳۶۔ بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۵۶۔

ذریعہ معاش کیلئے محنت

ابوعمرو شیبانی کہتے ہیں:

ایک مرتبہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ آپؑ ہاتھ میں کلہاڑی لئے اور بدن پر موٹا کپڑا پہنے ہوئے بڑی جانفشانی سے اپنے باغ میں کام کر رہے تھے۔ آپؑ کی حالت یہ تھی کہ سر سے پاؤں تک آپؑ کا پورا بدن مبارک پسینے میں شرابور تھا۔ میں نے عرض کی: میں آپؑ پر قربان! یہ کلہاڑی مجھے دیں تا کہ میں آپؑ کا کام انجام دوں۔ آپؑ نے فرمایا: مجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ انسان اپنے معاش اور روزی روٹی کیلئے آفتاب کی تمازت کو برداشت کرے!۔[1]

مزدور کی اجرت پسینہ خشک ہونے سے پہلے

حنان بن شعیب کہتے ہیں:

ہم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے باغ میں کام کرنے کیلئے چند مزدوروں کو لیا اور ان سے عصر تک مزدوری کی اجرت طے کی۔ جب وہ کام سے فارغ ہو گئے تو امام علیہ السلام نے متعب سے فرمایا: ان کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ان کی اجرت ادا کر دو۔[2]

حلال فائدہ

ابوجعفر فزاری کہتے ہیں:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے غلام مصادف کو بلا کر اسے ایک ہزار دینار دیتے ہوئے فرمایا: یہ رقم لے کر تجارت کیلئے مصر جانے کو تیار ہو جاؤ، کیونکہ میرے اخراجات زیادہ ہو گئے ہیں۔ مصادف نے کچھ سامان تجارت تیار کیا اور تجارتی قافلے کے ساتھ مصر روانہ ہو گئے۔ جب یہ لوگ مصر کے قریب پہنچے تو ان کی ملاقات ایک اور قافلے سے ہوئی جو مصر میں اپنا سامان تجارت فروخت کر کے واپس آ رہا تھا۔ انہوں نے اس قافلے والوں سے اپنے ساتھ لائے ہوئے سامان اور مصر میں ضروری اشیاء کی

---

[1] اصول کافی، ج ۵، ص ۷۶۔ وسائل الشیعۃ، ج ۱۷، ص ۳۹۔

[2] اصول کافی، ج ۵، ص ۲۸۹۔ وسائل الشیعۃ، ۱۹، ص ۱۰۶۔

قیمت دریافت کی تو انہوں نے کہا: جو چیزیں تم لے آئے ہو وہ مصر میں نایاب ہیں۔ اس پر قافلے کے تمام تاجروں نے آپس میں عہد کیا کہ اس سامان کو دوگنی قیمت میں فروخت کریں گے۔ چنانچہ مصر پہنچتے ہی ان کا سامان ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا اور وہ دوگنے منافع کے ساتھ مدینہ واپس روانہ ہو گئے۔ مصادف مدینہ پہنچ کر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہزار ہزار دینار کی دو تھیلیاں آپؑ کی خدمت میں پیش کیں اور عرض کی: میں آپؑ پر قربان! ایک تھیلی آپؑ کا اصل سرمایہ ہے اور یہ دوسری تھیلی خالص منافع ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اتنا منافع! یہ بہت زیادہ ہے! تم نے سامان بیچنے کیلئے کیا طریقہ اپنایا؟ مصادف نے وہاں کا ماجرا بیان کیا۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے غضبناک ہو کر فرمایا: سبحان اللہ! تم نے مسلمانوں کے خلاف گٹھ جوڑ کر کے عہد کر لیا کہ مال کو دوگنی قیمت سے کم پر نہیں بیچو گے؟! اس کے بعد آپؑ نے ایک تھیلی اٹھالی اور فرمایا: یہ میرا اصل سرمایہ ہے اور اس منافع کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر فرمایا: اے مصادف! میدان جنگ میں تلوار چلانا حلال روزی سے کہیں زیادہ آسان ہے!۔[1]

*****

[1] اصول کافی، ج ۵، ص ۱۶۱۔ وسائل الشیعۃ، ج ۱۷، ص ۴۲۱۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا معصومین علیہم السلام کی نظر میں[1]

دارالعرفان

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شخصیت کو پہچاننا اور ان کی شخصیت کا عرفان حاصل کرنا خصوصاً شیعہ خواتین کیلئے، بلکہ تمام مسلمانوں کیلئے دینی تعلیمات کے بہتر ادراک، تاریخ اسلام کے نشیب و فراز کو پہچاننے اور اسلام کی تمام تر خوبیوں کو حاصل کرنے کی راہ میں بہت معاون ہے۔

آج تک دنیا کے مفکرین خصوصاً مسلمان مفکرین نے یہ کوشش کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں تا کہ مسلمان ان کے مناقب و مراتب سے آشنا ہو سکیں لیکن ان کی یہ تمام کوششیں معصومین علیہم السلام کے نورانی بیانات و کلام کے بغیر ناممکن و نامکمل سی ہیں۔ اس لئے کہ معصومین علیہم السلام کی احادیث و اقوال زرّیں سے چشم پوشی کرتے ہوئے کوئی بھی مسلمان مفکر یا مؤرخ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بلند پایہ شخصیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اس کے بغیر ان کی ساری کوششیں ناکام اور بے فائدہ ہیں۔

اسی بنا پر ہم زیر نظر مقالے میں تین حوالوں سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت کا مختصر جائزہ لینے کی کوشش کریں گے:

- ۱۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی روشنی میں
- ۲۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا آئمہ طاہرین علیہم السلام کے کلام کی روشنی میں
- ۳۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا خود اپنے کلام کی روشنی میں

---

[1] بشکریہ از: دارالعرفان (http://www.erfan.ir)۔

۱۔حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی روشنی میں:

ایک باپ سے زیادہ اپنی اولاد کی تعریف کون بیان کرسکتا ہے؟ وہ اس بات پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ دوسروں کے سامنے اپنی اولاد کا تعارف کرائے۔ایک ایسا باپ جوخود اپنی زندگی میں بے نظیر ہے، جس کا قول وعمل اور کردار صداقت کی معراج پر ہے وہ کبھی بھی بے کار کی باتوں میں دلچسپی نہیں رکھتا، وہ ہستی جو کائنات کے اسرار ورموز سے آگاہ،علم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جو اولین وآخرین کے سرچشمہ علوم یعنی خدائے وحدہ لاشریک سے ہمیشہ رابطہ میں ہے۔کتنا اچھا ہوگا کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تعریف وتوصیف اور منزلت کو اس عظیم المرتبت باپ کی زبانی ذکر کریں جوخود خداوند عالم کے نزدیک کائنات میں سب سے زیادہ عزیز ومحبوب ہیں:

تمام عورتوں کی سردار:

امت اسلامی کے رہبر وپیشوا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؑ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اس امت کی عورتوں کی سردار ہیں۔[۱]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں درحقیقت حضرت زہرا سلام اللہ علیہا تمام مسلمان خواتین کی سیّد وسردار ہیں۔

انسان کامل:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مردوں میں بہت سے افراد نے کمال کی بلندی کو حاصل کیا،لیکن صنف نسواں میں چار عورتوں کے علاوہ کسی نے بھی انسان کامل کے مقام کو حاصل نہیں کیا۔ان چار خواتین میں ایک آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون، دوسری حضرت مریم بنت عمران، تیسری خدیجہ بنت خویلد اور چوتھی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔[۲]

---

[۱] فضائل الخمسۃ، ج ۳،ص ۱۳۷۔

[۲] الکشف والبیان (تفسیر ثعلبی)، ج ۹،ص ۳۵۳۔

دوسرے لفظوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان چار خواتین کو کائنات کی تمام عورتوں کیلئے زندگی کے ہر مرحلے کیلئے نمونۂ عمل قرار دے رہے ہیں، تاکہ دنیا کی تمام عورتیں اپنی زندگی کے تمام امور میں ان کی پیروی اور اتباع کرتے ہوئے کمال کی بلندیوں کو حاصل کر سکیں۔

انسان کی شکل میں حور:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات زمین و آسمان کی تمام حقیقتوں سے آگاہ ہیں۔ آپؐ نے اسماء بنت عمیس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> اے اسماء! صحیح معنوں میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا وہ حور جنت ہیں جسے خدا نے انسان کی شکل میں خلق کیا ہے۔[1]

ایک دوسرے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

> فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا وہ حور بہشت ہیں جو انسانوں کی شکل میں ہیں۔[2]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تعبیر ان تعبیروں میں سے ایک بہترین تعبیر ہے جو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت کو اور زیادہ نمایاں کرتی ہے۔ یہ تعبیر ان کی عصمت و طہارت اور ہر طرح کے عصیان و خطا سے پاک ہونے کا اعلان کر رہی ہے، کیونکہ حور کی یہ بنیادی خصوصیت ہے کہ وہ جسم و روح کی خوبصورتی اور صداقت و خوشروئی و۔۔۔ سے مزین ہوتی ہے۔ دوسرے لحاظ سے یہ تعبیر بی بی سلام اللہ علیہا کی عصمت کی سند بھی ہے۔ اس لئے کہ حور بہشت کی مخلوق ہے جہاں گناہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بہشت کی خوشبوؤں کی حامل:

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

> میں جب بھی بہشت کا مشتاق ہوتا ہوں تو فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا بوسہ لے لیتا ہوں۔[3]

---

[1] مناقب مغازلی، ص ۲۹۶، حدیث ۴۱۶۔ دلائل الامامۃ، ص ۱۴۸۔

[2] ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۲۱۸۔

[3] دلائل الامامۃ، ص ۱۴۸۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث ارشار فرمانے کے بعد جنت کی خوشبوکی آرزو کی اور پھر تو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا بوسہ لیا۔[1]

نیکی وجمال کی دلکش تصویر:

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شخصیت کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

> اگر تمام نیکیوں اور حسن و جمال کو کسی ایک پیکر کی صورت میں ڈھال دیا جائے تو یقیناً وہ صرف حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے وجود مطہر کی صورت میں جلوہ گر ہوں گی۔ میری بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کرامت وشرافت کے اعتبار سے سب لوگوں سے بڑھ کر ہیں۔[2]

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بے شمار کمالات کو بیان کررہی ہے۔ یہ حدیث واضح کررہی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ذات میں ہرطرح کی نیکی وخوبی، اخلاق و تواضع، خوش خلقی وملنساری اور کمالات انسانی کے تمام مدارج پائے جاتے ہیں۔ ہروہ چیز جو دین اسلام کے کمال کو حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے وہ آپؑ کی ذات میں موجود ہے۔

ہدایت کا درخشاں ستارہ:

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

> سورج کی تلاش میں رہو، جب سورج غروب ہوجائے تو شب میں چاند کی جستجو کرو، جب چاند ڈوب جائے تو زہرہ ستارہ کو تلاش کرو اور جب زہرہ بھی دکھائی نہ دے تو فرقدین کو ڈھونڈو۔ اصحابؓ نے عرض کی: یارسواللہؐ! سورج سے مراد کون ہے؟ فرمایا: میں۔ عرض کی: چاند کون ہے؟ فرمایا: علی علیہ السلام، عرض کی: زہرہ سے مراد کون ہے؟ فرمایا: حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا۔ پھر پوچھا: فرقدین سے مراد کون ہیں؟

---

[1] الغدیر فی الکتاب والسنۃ والادب، ج ۳، ص ۳۳۔

[2] مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۱۰۰۔ فرائد السمطین، ج ۲، ص ۶۸۔

فرمایا: امام حسن و امام حسین علیہما السلام۔[1]

جگر گوشۂ رسولؐ:

اس سلسلے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ روایتیں نقل ہوئی ہیں جو اس مضمون کو بیان کرتی ہیں کہ:

> حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کا ایک ٹکڑا ہیں جس نے بھی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو اذیت پہنچائی اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچائی اور جس نے جناب زہرا سلام اللہ علیہا کو خوش کیا اس نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کیا۔[2]

یہ تمام حدیثیں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس حد تک حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے قلبی و عاطفی لگاؤ تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا خداوند متعال کی وہ فرمانبردار کنیز ہیں جو خدا اور رسولؐ کی اطاعت گزاری میں خالص اور حق وصداقت کے راستے پر ثابت قدم ہیں۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا حق کی اطاعت و پیروی میں اس درجہ پر فائز ہیں کہ ان کی خوشنودی و رضا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا ہے اور ان کا غضب، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غضب قرار پایا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو پارۂ تن اور جگر کے ٹکڑے سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا رسول کے جسم کا ایک ٹکڑا ہیں۔ پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اذیت کو اپنی اذیت اور ان کی خوشی کو اپنی خوشی بتا کر دراصل مسلمانوں کو اس عظیم المرتبت بی بی سلام اللہ علیہا کی عظمت و رفعت سے آگاہ فرما رہے ہیں۔

---

[1] فرائد السمطین، ج ۲، ص ۱۷، حدیث ۳۶۱۔ شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ج ۱، ص ۵۹، حدیث ۹۱۔

[2] صحیح مسلم، ص ۹۹۳، حدیث ۲۴۴۹۔ صحیح بخاری، ص ۶۸۴، حدیث ۳۷۶۷۔ سنن الترمذی، ص ۱۰۰۶، حدیث ۳۸۷۶۔ الشغور الباسمۃ فی فضائل السیدۃ فاطمۃ، ص ۴۵۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج ۸، ص ۲۶۵۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کی تسکین:

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا میرے قلب کی فرحت وخوشی ہے اس کے فرزند میرے دل کا چین، شوہر آنکھوں کا نور اور (ان کی اولاد کے) آئمہ طاہرینؑ خدا کے امین ہیں، یہ خالق ومخلوق کے درمیان وہ ریسمان ہیں جو انسان کو خدا سے جوڑتی ہے، جو بھی ان سے متمسک رہے گا نجات پائے گا اور جو بھی ان سے دوری اختیار کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔[1]

اس فرمان رسولؐ کے مطابق حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا پورا گھرانہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشحالی کا سبب ہے۔ واضح رہے کہ یہ حدیث ایک لحاظ سے حدیث ثقلین کی تفسیر بھی بیان کر رہی ہے جو یقیناً اہل علم وعمل کیلئے قابل فکر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی ودشمنی کا معیار:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مقامات پر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے حقیقی مقام ومنزلت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام پر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور ان کے شوہر حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اور آپؑ کے فرزندوں حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> جو شخص بھی تم سے دشمنی رکھتا ہے میں بھی اس سے دشمنی رکھتا ہوں اور جو بھی تم لوگوں سے محبت ودوستی رکھتا ہے میں بھی اس سے محبت ودوستی رکھتا ہوں۔[2]

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، حضرت علی علیہ السلام اور آئمہ طاہرینؑ سے دوستی ومحبت دراصل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی ومحبت ہے اور ان سے دشمنی، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی

---

[1] مقتل خوارزمی، ج۱، ص۹۹، حدیث۲۱۔

[2] سنن الترمذی، ص۱۰۰۷، حدیث۳۸۷۹۔ مقتل خوارزمی، ج۱، ص۱۰۱، حدیث۲۶۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج۸، ص۲۶۶۔ أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج۶، ص۲۲۸۔

کے مترادف ہے۔

بے مثال انسان:

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مقام و مرتبہ اتنا زیادہ بلند ہے کہ اس کائنات میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی جیسا کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا کوئی کفو نہ ہوتا۔[1]

اللہ کی رضا اور اس کے غضب کا معیار:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مرتبہ فرمایا:

خدا بھی اس وقت ناراض ہوتا ہے جب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ناراض ہوتی ہیں اور خدا راضی ہوتا ہے جب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا راضی ہوتی ہیں۔[2]

ایک دوسری حدیث میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

خداوند تمہارے غضب کے سبب غضب میں آتا ہے اور تمہارے خوش ہونے پر خوش ہوتا ہے۔[3]

یہ حدیث اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا خدا کی عبودیت و بندگی میں اس مقام پر فائز ہو چکی ہیں کہ صرف خدا کیلئے غصہ و ناراض ہوتی ہیں اور صرف خدا کی خاطر راضی و خوش ہوتی ہیں۔ واضح رہے کہ بی بی سلام اللہ علیہا کی رضا و غضب، خداوند عالم کی رضا و غضب کی بنیاد پر ہے نہ کہ اپنے نفس کی پیروی کے سبب۔

---

[1] مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۱۰۷، حدیث ۳۸۔ فرائد السمطین، ج ۲، ص ۶۸۔

[2] فرائد السمطین، ج ۲، ص ۴۶، حدیث ۳۷۸۔ المستدرک الصحیحین، ج ۳، ص ۱۵۳۔

[3] مناقب مغازلی، ص ۲۸۵، حدیث ۴۰۱۔ المستدرک الصحیحین، ج ۱۰، ص ۱۱۶۔ ینابیع المودۃ، ج ۱، ص ۲۰۴۔ دلائل الامامۃ، ص ۱۴۶۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج ۸، ص ۲۶۶۔ اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج ۶، ص ۲۲۷۔ تذکرۃ الخواص، ص ۲۷۹۔

۲۔حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا آئمہ طاہرین علیہم السلام کے کلام کی روشنی میں:

چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد بھی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی اور پُرفضیلت شخصیت آج بھی روز اول کی طرح تمام مسلمانوں کی توجہ کا مرکز ومحور ہے۔شیعہ وسنی سبھی انہیں اچھے نام و القاب سے یاد کرتے ہیں اور انہیں خاندان وحی کا افتخار شمار کرتے ہیں۔مسلمان عورتیں بالخصوص شیعہ خواتین ان کی پیروی کرتے ہوئے اوران کی صفات کواپنا کراپنی زندگی سنوارتی ہیں۔

اہل قلم حضرات نے ان کی شخصیت کے تعارف میں متعدد کتابیں تحریر کی ہیں اور ابھی بھی تحریر کررہے ہیں۔مقررین وخطباء حضرات نے بھی شہزادی کونین سلام اللہ علیہا کے بارے میں بہت سی تقریریں کی ہیں۔مگر یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ان تمام اہل قلم واہل زبان حضرات میں سے کہ جنہوں نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی صفات وکمالات پر روشنی ڈالی ہے،تمام افراد کی معرفت آئمہ طاہرین علیہم السلام کی معرفت کے مقابلے بالکل ایسے ہی ہے جیسے سمندر کے سامنے قطرہ۔اس لئے کہ حضرات معصومینؑ اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا تعلق اسی خاندان عصمت وطہارت سے ہے جس کا مرکز ومحور خود حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ذات گرامی ہے۔پس ان سے بڑھ کراوران سے بہترکون ہے جواس عظیم المرتبت بی بی سلام اللہ علیہا کا تعارف کراسکتا ہے۔حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر آئمہ معصومین علیہم السلام کے وہ ارشادات جوانہوں نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عظمت ومنزلت اورشخصیت کواجاگر کرنے کیلئے بیان کئے ہیں ہمارے پاس نہ ہوتے تو بہت مشکل تھا کہ ہم اس عظیم خاتون کی معرفت حاصل کرسکتے۔

ذیل میں ہم حضرات معصومین علیہم السلام کے نورانی کلام کے چند اقتباسات کوپیش کررہے ہیں:

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی معرفت رسولؐ:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام کو مال غنیمت کا کچھ حصہ ملا تو آپؑ نے گھر لاکر اسے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے حوالے کیا۔حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اسے لیکر بازار گئیں اوراس سے دو چاندی کے کڑے اور ایک پردہ خریدا اور گھر تشریف لاکر

کڑوں کو ہاتھوں کی زینت بنایا اور پردہ کو گھر کے دروازے پر آویزاں کر دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس واقعے سے پہلے سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ سفر سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لے آئے اور ہمیشہ کی طرح آج بھی سفر سے واپسی کے بعد خانہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا قصد کیا۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بھی اپنے بابا کی آمد سے باخبر تھیں، لہٰذا مسرت وخوشی کی انتہا نہ تھی۔ آپؑ اپنے بابا کے والہانہ استقبال کیلئے دوڑیں، لیکن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر چاندی کے کڑوں اور پردے پر پڑی (جو خانہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پر آویزاں تھا) تو واپس پلٹ آئے۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی آنکھیں اشکبار و غمگین ہوگئیں۔ آپؑ نے فرمایا: میرے بابا نے آج تک میرے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ حسنین شریفینؑ کو بلایا اور پردے کو ہٹایا اور دونوں کڑوں اور پردہ کو شہزادوں کو دیکر فرمایا: اسے بابا کی خدمت لے جاؤ اور میرا اسلام عرض کرنا۔ امام حسن وامام حسین علیہما السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ماں کے پیغام و امانت کو پیش کیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں شہزادوں کو آغوش میں لے کر ان کا بوسہ لیا اور انہیں اپنے زانوؤں پر بٹھا لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دونوں کڑوں کو چھوٹے چھوٹے حصہ میں تقسیم کرو اور جب اس کے چھوٹے چھوٹے کئی حصے ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غریب و نادار جن کا مدینہ میں گھر بار نہیں تھا، تقسیم کر دیا اور پردے کو بے لباس فقراء میں بانٹ دیا۔ پھر فرمایا: ''خداوند عالم میری بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور اسے اس پردے کے بدلے میں جنت کا لباس اور دونوں کڑوں کے عوض بہشت کے زیورات عطا فرمائے''۔[1]

---

[1] بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۶۴۔ ۶۵۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا علم:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

ایک دن حضرت علی علیہ السلام بہت غم زدہ حالت میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس آئے۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے غمگین و مغموم ہونے کا سبب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: آج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ایسا سوال کیا کہ اس کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سوال کے متعلق معلوم کیا تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: عورت کا کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کی: یعنی چھپائی جانے والی چیز۔ پھر پوچھا: وہ کون سا موقع ہے جب ایک عورت اپنے پروردگار سے زیادہ قریب ہوتی ہے؟ میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جایئے اور کہئے کہ: ایک عورت اپنے پروردگار سے اس وقت زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر میں رہتی ہے۔ یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے جواب کو بیان فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے علیؑ! تم کو یہ جواب کس نے بتایا؟ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے درمیان ہونے والی پوری گفتگو کا ماجرا بیان فرمایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی بات کو سننے کے بعد فرمایا: ''بالکل صحیح جواب ہے اور واقعی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا میرا ٹکڑا ہے''۔[1]

صدر اسلام کے سماجی و معاشرتی حالات اور اس سے مربوط قرآنی آیات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نکتہ ابھر کر سامنے آتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے اس کلام ''جب عورت اپنے گھر میں ہوتی ہے تو

---

[1] مناقب مغازلی، ص ۳۰۳، حدیث ۳۴۰۔

اس وقت اپنے پروردگار کے زیادہ قریب ہوتی ہے'' سے مراد عورت کا بنا کسی ضروری کام محض نمود و نمائش اور نامحرم کو جلوہ نمائی کی غرض سے گھر سے باہر نکلنا اسے اللہ سے دور کر دینے کا باعث بنتا ہے۔ عورت کو چاہیے کہ بغیر کسی ضروری کام کے اپنے گھر سے قدم باہر نہ نکالے اور اگر کسی ضروری کام سے باہر نکلنا ہے تو اسے جلوہ نمائی اور غیر اخلاقی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا حجاب کا بہترین نمونہ:

حضرت امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

ایک نابینا شخص نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے آپؑ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ آپؑ نے اپنے آپؑ کو اس کی نگاہوں سے پوشیدہ کرلیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے اور اس ماجرے کو دیکھ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ''بیٹی! تم نے اس سے پردہ کیوں کیا؟ یہ شخص تو نابینا ہے''؟۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ٹھیک ہے وہ مجھے نہیں دیکھ رہا ہے، لیکن میں تو اسے دیکھ سکتی ہوں اور میری خوشبو اس کے مشام تک پہنچ سکتی ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کی تعریف کی اور فرمایا: گواہی دیتا ہوں کہ تم میرے وجود کا ایک ٹکڑا ہو۔[1]

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے بھی اسی سیاق و مضمون کی خبر نقل ہوئی ہے۔[2]

ایک روایت میں ہے:

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے سوال کیا کہ بہترین عورتیں کون ہیں؟ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے جواب میں فرمایا: وہ عورتیں جو مردوں کو نہ دیکھیں اور مرد بھی انہیں نہ دیکھیں۔[3]

---

[1] الدر النظیم فی مناقب الائمۃ الھامیم، ص ۴۵۷۔

[2] مناقب مغازلی، ص ۳۰۳۔ ۳۰۴، حدیث ۴۲۹۔

[3] مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۱۰۳، حدیث ۴۳۰۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اس نابینا سے ملاقات سے اجتناب سے دو نکتے استفادہ ہوتے ہیں:

پہلا نکتہ:

یہ کہ حجاب، عفت و پاکدامنی صرف اپنے آپ کو نامحرم کی تیر مارتی ہوئی نگاہوں سے دور رکھنا ہی نہیں بلکہ اپنی آنکھوں کو ایک نامحرم مرد پر پڑنے سے بچانا اور اپنی نگاہوں کو اپنے کنٹرول میں رکھنا بھی عفت و پاکدامنی کے مقدمات ولوازمات میں شامل ہے۔

دوسرا نکتہ:

یہ کہ عطر یا لوازمات زینت کے سلسلے میں تاکید کی گئی ہے کہ بہترین عورت وہ ہے جو اپنی آنکھوں کو آلودگی اور نامحرم پر پڑنے سے بچانے کے ساتھ ساتھ اپنے جسم کی خوشبو کو بھی نامحرم کے مشام تک پہنچنے سے محفوظ رکھے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پناہ محبت:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

> حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کہیں سفر کا قصد کرتے تھے تو باری باری اپنے تمام اہل خانہ کو وداع کہتے تھے اور سب سے ملنے کے بعد حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے خدا حافظی کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہمیشہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا حافظ کہنے والی آخری فرد ہوتی تھیں اور سفر سے واپسی پر سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک خانہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا پر پڑتے تھے۔[1]

واضح رہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل ایک طرف تو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شان وعظمت کو بیان کر رہا ہے دوسری طرف یہ اس عظیم المرتبت بی بیؑ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پناہ محبت والفت کا بھی آئینہ دار ہے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۶۴۔

کائنات میں سب سے زیادہ گریہ کرنے والوں میں سے ایک:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

کائنات میں سب سے زیادہ گریہ کرنے والی ہستیاں پانچ ہیں: حضرت آدم علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت امام سجاد علیہ السلام۔[1]

پھر آپؑ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اتنا روئیں کہ مدینے کے رہنے والے پریشان ہو گئے۔ انہوں نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے کہا: آپؑ کے اتنے زیادہ رونے نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔ اس کے بعد جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا شہداء کی قبر پر جاتیں اور وہاں بیٹھ کر گریہ فرمایا کرتی تھیں۔ جب رو رو کر تھک جاتیں تو گھر لوٹ آتی تھیں۔[2]

قابل ذکر ہے کہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا یہ گریہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے خود آپؑ کی شہادت تک جاری رہا۔ اس میں دو اہم پہلو تھے: ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کے مخصوص حالات تھے اور دوسرے یہ کہ بی بی سلام اللہ علیہا کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت اور پیار تھا۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہر برائی سے پاک:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بارگاہ الٰہی میں نو نام ہیں: فاطمہ، صدیقہ، مبارکہ، طاہرہ، زکیہ، راضیہ، مرضیہ، محدثہ اور زہرا۔ پھر فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ ''فاطمہ'' کی تفسیر کیا ہے؟ اصحاب نے عرض کی: ہم نہیں جانتے، آپؑ ارشاد فرمایئے!

---

[1] التفسیر العیاشی، ج ۲، ص ۳۵۸، رقم ۲۱۳۳۶۱۔

[2] کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج ۱، ص ۴۹۸۔

امامؑ نے فرمایا: (اس کا مطلب ہے): ''ہر برائی سے دور رکھی گئی''۔[1]

یہ حدیث واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہر برائی اور عیب سے پاک اور طاہر ہیں اور مقام عصمت وطہارت کی حامل ہیں۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اہل آسمان کا ایک ستارہ:

مروی ہے:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا: جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ''زہرا'' کیوں کہا جاتا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: کیونکہ جب وہ محراب عبادت میں کھڑی ہوتی تھیں تو ان کا نور ساکنان عرش پر اس طرح سے پڑتا تھا جیسے ستاروں کی روشنی زمین والوں پر پڑتی ہے۔[2]

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا عالمین کی عورتوں کی سردار:

مفضل بن عمر کہتے ہیں:

میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شان میں فرمایا ہے کہ وہ عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں۔ آپؑ وضاحت فرمائیے کہ کیا وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ مریم تھیں جو اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تمام عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں۔[3]

---

[1] علل الشرایع، ج۱، ص ۲۱۲، باب ۱۴۲، حدیث ۳۔ امالی شیخ صدوقؒ، ص ۴۷۴، مجلس ۸۶۔ بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۱۳۔ کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج ۲، ص ۸۹۔ دلائل الامامۃ، ص ۸۹۔ ۱۰۔ الدر النظیم فی مناقب الائمۃ الھامیم، ص ۴۴۵۔

[2] معانی الاخبار، ص ۶۴، باب ۲۸، حدیث ۱۵۔ علل الشرایع، ج ۱، ص ۱۴۳ و ۲۱۵، حدیث ۳۔ دلائل الامامۃ، ص ۱۴۹۔ بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۱۵۔

[3] دلائل الامامۃ، ص ۱۴۹۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ملائکہ سے گفتگو:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ''محدثہ'' کہا گیا، کیونکہ فرشتے آسمان سے اتر کر ان سے اسی طرح گفتگو کیا کرتے تھے جس طرح جناب مریم بنت عمران سلام اللہ علیہا سے باتیں کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے: اے فاطمہؑ! پروردگار عالم نے آپؑ کو چنا، پاک کیا اور دنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ اے فاطمہؑ! خدا کیلئے قنوت پڑھو، سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ فرشتے ان سے بات کرتے اور وہ بھی فرشتوں سے بات کرتی تھیں۔ ایک رات حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے ان سے کہا: کیا مریم سلام اللہ علیہا کو تمام عورتوں پر فضیلت نہیں بخشی گئی تھی؟ فرشتوں نے جواب دیا: مریم سلام اللہ علیہا اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں اور خدا نے آپؑ کو اولین و آخرین کی تمام عورتوں کی سرداری عطا فرمائی ہے۔[1]

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی دُعاؤں میں انسانوں کیلئے تڑپ:

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

میں نے اپنی مادر گرامی کو اس حال میں دیکھا کہ آپؑ شب جمعہ محراب عبادت میں تھیں اور مستقل رکوع و سجود فرما رہی تھیں۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا میں نے سنا کہ وہ مومن مردوں و عورتوں کا نام لے لے کر ان کے حق میں بہت ساری دُعائیں کر رہی تھیں، لیکن اپنے لئے کوئی دُعا نہیں کی۔ میں نے عرض کی: اے مادر گرامی! آپؑ نے دوسروں کیلئے دُعائیں کیں، لیکن اپنے لئے کوئی دُعا نہیں مانگی؟ تو بی بیؑ نے فرمایا: پیارے بیٹے! پہلے پڑوسی پھر گھر والے۔[2]

---

[1] دلائل الامامۃ، ص ۱۴۹۔

[2] علل الشرائع، ج ۱، ص ۲۱۵، حدیث ۱۔ کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج ۲، ص ۹۴۔ دلائل الامامۃ، ص ۱۵۲۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ایک بے مثال خاتون:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اگر امیر المومنین علیہ السلام حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے شادی نہیں کرتے تو قیامت تک زمین پر ان کا کوئی ہم کفو نہ ملتا۔[1]

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام کی شادی کے بعد خداوند عالم نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: ''اگر علیؑ کو خلق کرنا مقصود نہ ہوتا تو زمین پر تمہاری بیٹی کا کوئی ہم کفو نہ ہوتا۔[2]

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بہترین شریک حیات:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے حضرت علی علیہ السلام سے عہد کیا کہ وہ گھر کے اندر کا سارا کام (مثلاً آٹا گوندھنا، روٹی بنانا اور جھاڑو دینا) خود انجام دیں گی۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے بھی گھر کے باہر کے امور کی ذمہ داری (مثلاً لکڑیاں لانا اور نان ونفقہ کا انتظام کرنا وغیرہ) اپنے ذمے لے لی۔ ایک دن حضرت علی علیہ السلام نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے پوچھا: کیا گھر میں کھانے کی کوئی چیز ہے؟ آپؑ نے فرمایا: نہیں، اس کی قسم جس نے آپؑ کے حق کو عظمت بخشی! تین دن ہو گئے کہ گھر میں کچھ بھی کھانے کیلئے نہیں ہے جو میں آپؑ کی خدمت کر سکوں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: آپؑ نے مجھے اس سے آگاہ کیوں نہیں کیا؟ بی بیؑ نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے آپؑ سے کوئی فرمائش کرنے سے منع فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

---

[1] امالی شیخ صدوقؒ، ص ۴۷۴، مجلس ۸۶، حدیث ۱۸۔ علل الشرایع، ج ۱، ص ۲۱۲، باب ۱۴۱، حدیث ۳۔ کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج ۲، ص ۸۹۔ دلائل الامامۃ، ص ۸۰۔ ۷۹۔ الدر النظیم فی مناقب الائمۃ الھامیم، ص ۴۴۵۔

[2] مسند الامام الرضاؑ، ج ۱، ص ۱۴۱، حدیث ۱۷۷۔

(بیٹی!) علیؑ سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کرنا۔ اگر وہ خود تمہیں کچھ دیں تو قبول کر لینا ورنہ کسی چیز کی درخواست مت کرنا۔[1]

واضح رہے کہ مذکورہ روایت سے ازدواجی زندگی کے سلسلے میں چند اہم نکات سامنے آتے ہیں جنہیں ملحوظ رکھ کر گھر کو سکون و راحت کا مرکز بنایا جا سکتا ہے:

۱۔ گھر کی ذمہ داریوں کی تقسیم:

میاں بیوی کو چاہیے کہ ازدواجی زندگی کے آغاز میں ہی مل بیٹھ کر گھر کے امور کی ذمہ داریاں آپس میں تقسیم کر لیں تا کہ گھر کا سکون برقرار رہے۔

۲۔ ایک دوسرے کے حقوق سے آگاہی:

میاں بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق سے مکمل آگاہ ہونا چاہیے۔

۳۔ باہمی تعاون:

خاتون کو گھر کے معاشی امور میں اپنے شوہر کا بھرپور ساتھ دینا چاہیے اور شوہر کو اپنی بیوی اور گھر والوں کی جائز ضرورتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی گھریلو کاموں میں سخت محنت:

ابن اعید کہتے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: کیا میں تمہیں اپنے اور فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھریلو امور کے متعلق کچھ بتاؤں؟ پھر آپؑ نے فرمایا: حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اتنی زیادہ چکیاں چلاتی تھیں کہ آپؑ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ آپؑ اس قدر مشک میں پانی لایا کرتی تھیں کہ آپؑ کی گردن پر اس کے نشان پڑ گئے تھے۔ آپؑ اتنا زیادہ گھر میں جھاڑو دیا کرتی تھیں کہ آپؑ کے کپڑوں کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور اس قدر چولہے میں آگ جلاتی تھیں کہ اس (دھوئیں) کے سبب آپؑ بیمار ہو گئی تھیں۔[2]

---

[1] التفسیر العیاشی، ج ۱، ص ۳۰۳۔ ۳۰۴، حدیث ۶۸۱۴۲۔

[2] علل الشرایع، ج ۲، ص ۶۵، حدیث ۱۔ تذکرۃ الخواص، ص ۲۸۰۔ بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۶۳۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا، صدیقۂ شہیدہ:

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں:

بیشک حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا صدیقہ اور شہیدہ ہیں۔[1]

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا شہادت پر فائز ہوئیں۔ اس کے علاوہ لفظ ''صدیقہ'' آپؑ کی صداقت اور سچائی پر دلالت کرتا ہے کہ آپؑ قول و عمل اور اعتقاد و ایمان میں سب سے زیادہ صادق و سچی تھیں۔

۳۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا خود اپنے کلام کی روشنی میں:

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شخصیت کے متعلق زبان کھولنا کوئی آسان کام نہیں ہے، لیکن خود ان کے کلام کی روشنی میں آپؑ کی شخصیت و عظمت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ ہم اب پروردگار کے لطف و کرم سے خود بی بی سلام اللہ علیہا کے اپنے کلام گہربار کی روشنی میں آپؑ کے اوصاف کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو سلام کرنے کے عوض بہشت:

روای کہتا ہے:

میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت میں شرف یاب ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپؑ نے جواب میں فرمایا: میرے بابا نے اپنی زندگی میں مجھ سے فرمایا تھا: جو بھی تین دن تک مجھ پر اور تم (اہلبیتؑ) پر سلام بھیجے اس پر جنت واجب ہے۔ روای کہتا ہے: میں نے عرض کی: بی بیؑ! کیا یہ فضیلت صرف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؑ کی زندگی تک محدود ہے؟ یا آپؑ اور آپؑ کے بابا کے بعد بھی یہ فضیلت باقی رہے گی؟ آپؑ نے فرمایا: کوئی فرق نہیں ہے، چاہے ہماری حیات میں کوئی ہم پر سلام بھیجے یا ہماری حیات کے بعد۔[2]

---

[1] بحار الانوار، ج ۵، ص ۳۱۵، حدیث ۲۔

[2] مناقب مغازلی، ص ۲۹۲، حدیث ۴۱۰۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا خدا کی رضا پر راضی:

مروی ہے:

جس وقت حضرت علی علیہ السلام حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے عقد کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے کچھ مشورہ کیا اور فرمایا: میری بیٹی فاطمہؑ! تمہارے چچا کے فرزند علی بن ابی طالب علیہ السلام تم سے عقد کرنا چاہتے ہیں، تمہارا کیا جواب ہے؟ آپؑ نے عرض کی: میری خوشی ہر اس چیز میں ہے جس پر خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حق میں راضی ہو۔[1]

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی قناعت پسندی:

آپؑ نے اپنے شوہر نامدار حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: مجھے آپؑ سے کسی چیز کا مطالبہ کرتے ہوئے پروردگار عالم سے حیا آتا ہے کہ کہیں میں آپؑ سے کوئی ایسی چیز نہ مانگ بیٹھوں جسے آپؑ پورا نہ کر پائیں۔[2]

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی نظر میں دنیا کی محبوب اشیاء:

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

میں تمہاری دنیا سے فقط تین چیزوں پسند کرتی ہوں: خدا کی راہ میں انفاق، کتاب خدا کی تلاوت اور اپنے بابا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کی زیارت۔[3]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہونے میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا امتیاز:

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

جس وقت یہ آیہ مجیدہ: ﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ

---

[1] ملحقات الاحقاق الحق، ج ۲۳، ص ۴۷۷۔

[2] احقاق الحق وازہاق الباطل، ج ۱۰، ص ۳۲۳۔ ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۲۳۶۔

[3] مسند فاطمہ الزہراؑ، ص ۱۶۱، حدیث ۹۳۔

بَعْضًا ﴾[1] (:جس طرح تم ایک دوسرے کو خطاب کرتے ہو، اللہ کے رسول ﷺ کو اس طرح مخاطب نہ کرو) نازل ہوئی تو مجھے خوف ہوا کہ اس کے بعد اب میں رسول خدا ﷺ کو ''بابا'' کہہ کر مخاطب نہ کرسکوں گی اور مجھے بھی دوسرے لوگوں کی طرح آپ کو ''یارسول اللہؐ'' کہہ کر خطاب کرنا ہوگا۔ مگر پیغمبر ﷺ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: ''بیٹی! یہ آیہ مجیدہ تمہارے لئے اور تمہارے اولاد کیلئے نازل نہیں ہوئی ہے، تم مجھ سے ہو اور میں تم سے، بلکہ یہ آیت ان جفا کار اور بدبخت اہل قریش کیلئے نازل ہوئی ہے جو خودخواہ و متکبر ہیں۔ تم مجھے لفظ ''بابا'' سے ہی خطاب کرو کیونکہ یہ خطاب مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور اس سے خداوند بھی خوش ہوتا ہے۔[2]

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا، اہل بیت پیغمبر کا حصہ ہیں:

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے روایت ہے:

ایک دن میں رسول خدا ﷺ کی مزاج پرسی کیلئے ان کی خدمت میں شرفیاب ہوئی۔ رسول خدا ﷺ نے میرے بیٹھنے کیلئے اپنی چادر بچھا دی۔ کچھ دیر کے بعد حسن علیہ السلام تشریف لائے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے انہیں بھی اس چادر پر بٹھالیا، پھر حسین علیہ السلام وارد ہوئے اور اسی چادر پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام تشریف لے آئے وہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہوگئے۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے ایک دوسری چادر کو ہمارے سروں پر ڈال دیا اور فرمایا: خدایا! یہ میرے اہل بیتؑ ہیں، یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ بارالہا! جس طرح سے میں ان سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہوجا۔[3]

---

[1] سورۂ نور آیت ۶۳۔

[2] مناقب مغازلی، ص ۲۹۲۔ ۲۹۳، حدیث ۴۱۱۔ الدر النظیم فی مناقب الائمۃ الھامیم، ص ۴۶۲۔

[3] ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۳۰۵۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا شفیعہ روز قیامت:

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گنہگار امت کی شفاعت کے سلسلے میں فرماتی ہیں:

میں میدان محشر آ کر اپنے بابا کے گنہگار امتیوں کی شفاعت کروں گی۔[1]

نتیجہ بحث:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو مسلمان عورتوں کی سردار بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک کامل خاتون قرار دیا جو انسانوں کی شکل میں حورِ بہشت ہیں۔ آپؑ جنت کی خوشبو سے معطر ہیں اور اگر تمام نیکیوں کو کسی ایک انسان کی صورت میں ڈھال دیا جائے تو وہ صرف اور صرف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی صورت میں جلوہ گر ہوں گی، بلکہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اس سے بھی بہتر و برتر ہیں۔ آپؑ ہدایت کا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشہ ہیں۔ آپؑ قلبِ رسولؐ کی خوشی کا باعث ہیں۔ آپؑ کے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسکین ہیں اور آپؑ کے شوہر علی علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کا نور ہیں۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے دوستی و دشمنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی و دشمنی ہے اور آپ سلام اللہ علیہا کی خوشی اور غضب خدا کی خوشی و غضب ہے۔

پھر معصومین علیہم السلام نے بھی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے متعلق عمیق معرفت، علم و آگاہی اور بلند مقام و منزلت کے متعلق بہت کچھ بیان فرمایا ہے اور اس عظیم المرتبت بی بیؑ کو عفت و حجاب کا بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ معصومین علیہم السلام نے واضح فرمایا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں اور وہ خود بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت کرتی تھیں۔

آپؑ تمام طرح کی برائیوں سے پاک تھیں جس وقت محراب عبادت میں کھڑی ہوتی تھیں تو آپؑ کے جسم اطہر سے ایک ایسا نور ساطع ہوتا تھا کہ عرش نشیں فرشتے بھی اس کی تاب نہیں لا پاتے تھے۔ آپؑ زمین کی تمام عورتوں کی سیّدو سردار ہیں۔ ایسی بے مثال خاتوں کہ اپنی دُعاؤں میں بھی کسی انسان کو فراموش نہیں کرتی تھیں۔ آپؑ نے اپنے شوہر کے احترام میں کبھی کوتاہی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیا اور

---

[1] احقاق الحق وازہاق الباطل، ج ۱۰، ص ۳۶۷۔

گھر کے اندر کی تمام ذمہ داریوں کو ہمیشہ بخوبی انجام دینے میں کوشاں رہتیں۔

حضرت شہزادی کونین جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنی مرضی اور رضا پر ہمیشہ خدا کی رضا کو مقدم رکھا۔ غربت و افلاس میں بھی خدا کی رضا کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت کرنے والی اس بی بیؑ نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل بیت علیہم السلام کے ایک فرد بتاتے ہوئے واضح کیا کہ قیامت کے دن لوگوں کی شفاعت کرنے کا حق خدا نے آپؑ کو بخشا ہے۔ آپؑ نے دنیا سے کبھی دل نہیں لگایا۔ آپؑ نے دنیا کی صرف تین چیزوں کو پسند فرمایا: راہ خدا میں انفاق، کتاب خدا کی تلاوت اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کی زیارت۔

*****

سیّدۂ کائنات اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھیں کہ بیوی کا مزاج شوہر کے مزاج اور فکر و عمل پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو اسے سعادت مندی کی مسند پر بٹھادے اور چاہے تو بدبختی کے گڑھے میں دھکیل دے۔ سیّدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام مرد میداں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی زندگی میں جتنے معرکہ ہائے حق و باطل بپا ہوئے ان میں سیف ذوالفقار کی کاری ضربیں تاریخِ شجاعت کا تابناک باب ہیں۔ آپ فاتح خیبر، غازی اُحد و بدر اور حنین و خندق کے صف شکن مجاہد تھے۔ ایسے ہمہ جہت مرد مجاہد اور عظیم سپہ سالار کی خدمت کیلئے سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا جیسی خیر خواہ محب و مخلص اور بہادر زوجہ قدرت کا اپنا انتخاب تھا۔ سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا نے شوہر نامدار کی جہادی زندگی میں بھرپور معاونت فرمائی۔ انہیں گھریلو ذمہ داریوں سے فراغت اور بے فکری مہیا کی۔ سارا دن جنگ و جدل اور تیغ و تفنگ سے تھکے ماندے علی علیہ السلام جب گھر واپس آتے تو جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا سو جان سے اُن کی خدمت بجالاتیں۔ ان سے محاذِ جنگ کے واقعات سن کر ایمان تازہ کرتیں اور ان کی شجاعت کی داد بھی دیتیں۔ زخموں کی مرہم پٹی کرتیں، خون آلود تلوار اور لباس کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتیں۔ یوں یہ پیکرِ جرأت و شجاعت تازہ دم ہو کر اگلے معرکے کیلئے کمربستہ ہو جاتے۔

(اقتباس از: ''سیّدۂ کائنات سلام اللہ علیہا'' تالیف ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری)

اخلاقِ اہل بیتؑ

قسط:24

از: آیت اللہ محمد محمدی ری شہری

ترجمہ: علامہ ذیشان حیدر جوادی

۳۔عفوودرگزر:

[1] رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مُرُوْءَتُنَا اَهْلَ الْبَيْتِ الْعَفْوُ عَمَّنْ ظَلَمَنَا وَ اِعْطَآءُ مَنْ حَرَمَنَا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم اہلبیت علیہم السلام کی مروت کا تقاضا یہ ہے کہ جو ہم پر ظلم کرے اسے معاف کردیں اور جو ہمیں محروم رکھے اسے عطا کردیں۔[1]

[2] اَبُوْ عَبْدِ اللهِ الْجَدَلِيُّ: سَئَلتُ عَآئِشَةَ عَن خُلقِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ. فَقَالَتْ: لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَخَّابًا فِي الْاَسْوَاقِ. وَلَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ. وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ۔

ابوعبداللہ جدلی کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی فحش بات نہ کہتے تھے اور نہ کوئی فحش کام کرتے تھے، بازاریوں کی طرح شور مچانا بھی آپ کا کام نہیں تھا اور برائی کا بدلہ برائی سے بھی نہیں دیتے تھے، بلکہ عفواور گزر سے کام لیا کرتے تھے۔[2]

[3] عَبْدُ اللهِ: كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَحْكِيْ نَبِيًّا مِنَ الْاَنْبِيَآءِ. ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَاَدْمَوْهُ. وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَّجْهِهٖ وَيَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ. فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

---

[1] تحف العقول، ص ۳۸۔

[2] سنن الترمذی، ج ۴، ص ۳۶۹، حدیث ۲۰۱۶۔ مسند ابن حنبل، ج ۹، ص ۵۳۲، حدیث ۲۵۴۷۲ و ج ۱۰، ص ۷۵، حدیث ۲۶۰۴۹ و ص ۹۴، حدیث ۲۶۱۵۰۔

عبداللہ کا کہنا ہے: گویا یہ منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے کسی نبی کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمارہے تھے: ان کی قوم کے لوگوں نے انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا تو وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے جارہے تھے اور فرمارہے تھے: ''خدایا میری قوم کو معاف کر دینا کہ یہ نادان ہیں''۔[1]

[4] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ علیہ السلام: اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اُتِیَ بِالْیَهُوْدِیَّةِ الَّتِیْ سَمَّتِ الشَّاةَ لِلنَّبِیِّ ﷺ. فَقَالَ لَهَا: مَا حَمَلَكِ عَلٰی مَا صَنَعتِ؟ فَقَالَتْ: قُلتُ: اِنْ كَانَ نَبِیًّا لَّمْ یَضُرَّهٗ وَ اِنْ كَانَ مَلِكًا اَرَحْتُ النَّاسَ مِنْهُ. قَالَ: فَعَفَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْهَا۔

حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ کے پاس اس یہودی عورت کو حاضر کیا گیا جس نے آپ کو زہر دیا تھا... تو آپ نے دریافت کیا کہ آخر تو نے ایسا قدم کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ میرا خیال یہ تھا کہ اگر یہ نبی ہیں تو انھیں نقصان نہ ہوگا اور اگر بادشاہ ہیں تو لوگوں کو آرام مل جائے گا۔ یہ سن کر آپؐ نے اسے معاف کر دیا اور کوئی بدلہ نہیں لیا۔[2]

[5] مُعَاذُ بْنُ عَبْدِ اللهِ التَّمِیْمِیُّ: وَاللهِ! لَقَدْ رَاَیْتُ اَصْحَابَ عَلِیٍّ علیہ السلام وَ قَدْ وَصَلُوْا اِلَی الْجَمَلِ، وَ صَاحَ مِنْهُمْ صَائِحٌ: اِعْقِرُوْهُ. فَعَقَرُوْهُ فَوَقَعَ. فَنَادٰی عَلِیٌّ علیہ السلام: مَنْ طَرَحَ السِّلَاحَ فَهُوَ اٰمِنٌ، وَ مَنْ دَخَلَ بَیْتَهٗ فَهُوَ اٰمِنٌ. فَوَ اللهِ! مَا رَاَیْتُ اَكْرَمَ عَفْوًا مِّنْهُ۔

معاذ بن عبداللہ تمیمی کہتے ہیں: خدا کی قسم! میں نے (جنگ جمل میں) اصحاب امیر المومنین علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بی بی عائشہؓ کے اونٹ تک پہنچ گئے اور کسی نے آواز دی کہ اس اونٹ کے پیر کاٹ دیئے جائیں اور لوگوں نے کاٹ بھی دیئے اور اونٹ گر پڑا۔ عین اسی موقع پر حضرت علیہ السلام نے فوراً آواز بلند کر دی کہ جو اسلحہ رکھ دے گا وہ امان میں ہے اور جو میرے گھر میں آجائے گا وہ بھی امان میں ہے، خدا کی قسم! میں نے ایسا کریم انسان نہیں دیکھا ہے۔[3]

---

[1] صحیح البخاری، ج ۶، ص ۲۵۳۹، حدیث ۶۵۳۰، و ج ۳، ص ۱۲۸۲، حدیث ۳۲۹۰۔ صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۴۱۷، حدیث ۱۷۹۲۔ سنن ابن ماجۃ، ج ۲، ص ۱۳۳۵، حدیث ۴۰۲۵۔ مسند ابن حنبل، ج ۲، ص ۱۲۵، حدیث ۴۱۰۷۔

[2] الکافی، ج ۲، ص ۱۰۸، حدیث۔

[3] الجمل، ص ۳۶۵۔ مروج الذہب، ج ۲، ص ۳۷۸۔ الاخبار الطوال، ص ۱۵۱۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۸۳۔

[6] اَلْبَلَاذُرِیُّ فِیْ اَنْسَابِ الْاَشْرَافِ: قَامَ عَلِیٌّ علیہ السلام حِیْنَ ظَهَرَ وَ ظَفِرَ (عَلَی الْقَوْمِ) خَطِیْبًا، فَقَالَ: یَآ اَهْلَ الْبَصْرَةِ! قَدْ عَفَوْتُ عَنْكُمْ. فَاِیَّاكُمْ وَ الْفِتْنَةَ. فَاِنَّكُمْ اَوَّلُ الرَّعِیَّةِ نَكَثَ الْبَیْعَةَ وَ شَقَّ عَصَا الْاُمَّةِ۔

بلاذری بیان کرتے ہیں: حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے جنگ جمل میں فتح حاصل کرنے کے بعد ایک خطبے میں ارشاد فرمایا: اے اہل بصرہ! میں نے تمہیں معاف کیا، لیکن خبردار فتنہ پردازی سے باز رہنا۔ اس لئے کہ تم وہ پہلی رعایا ہو جس نے عہد شکنی کی ہے اور امت میں تفرقہ کی بنیاد ڈالی ہے۔[1]

[7] اَلْاِمَامُ عَلِیٌّ علیہ السلام۔ مِنْ كَلَامِهٖ بِالْبَصْرَةِ حِیْنَ ظَهَرَ عَلَی الْقَوْمِ بَعْدَ حَمْدِ اللّٰهِ وَ الثَّنَآءِ عَلَیْهِ۔: اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّ اللّٰهَ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ، وَ مَغْفِرَةٍ دَآئِمَةٍ، وَ عَفْوٍ جَمٍّ، وَ عِقَابٍ اَلِیْمٍ. قَضٰی اَنَّ رَحْمَتَهٗ وَ مَغْفِرَتَهٗ وَ عَفْوَهٗ لِاَهْلِ طَاعَتِهٖ مِنْ خَلْقِهٖ، وَ بِرَحْمَتِهٖ اهْتَدَی الْمُهْتَدُوْنَ، وَ قَضٰی اَنَّ نَقْمَتَهٗ وَ سَطَوَاتِهٖ وَ عِقَابَهٗ عَلٰٓی اَهْلِ مَعْصِیَتِهٖ مِنْ خَلْقِهٖ، وَ بَعْدَ الْهُدٰی وَ الْبَیِّنَاتِ مَا ضَلَّ الضَّآلُّوْنَ. فَمَا ظَنُّكُم یا اهلَ البَصرَةِ وقَد نَكَثتُم بَیْعَتِیْ وَ ظَاهَرْتُمْ عَلَیَّ عَدُوِّیْ؟ فَقَامَ اِلَیْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: نَظُنُّ خَیْرًا، وَ نَرَاكَ قَدْ ظَفِرْتَ وَ قَدَرْتَ، فَاِنْ عَاقَبْتَ فَقَدِ اجْتَرَمْنَا ذٰلِكَ، وَ اِنْ عَفَوْتَ فَالْعَفْوُ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ. فَقَالَ: قَدْ عَفَوْتُ عَنْكُمْ. فَاِیَّاكُمْ وَ الْفِتْنَةَ. فَاِنَّكُم اَوَّلُ الرَّعِیَّةِ نَكَثَ الْبَیْعَةَ وَ شَقَّ عَصَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ. ثُمَّ جَلَسَ لِلنَّاسِ فَبَایَعُوْهُ۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے جنگ جمل میں اہل بصرہ پر فتح پانے کے بعد ایک خطبے میں حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا: بے شک پروردگار وسیع رحمت کا مالک اور دائمی مغفرت کا مختار ہے، اس کے پاس عظیم معافی بھی ہے اور دردناک عذاب بھی۔ اس نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کی رحمت ومغفرت و معافی صاحبان اطاعت کیلئے ہے اور اس کی رحمت سے ہدایت پانے والے ہدایت پاتے ہیں اور یہ بھی اسی کا فیصلہ ہے کہ اس کا عذاب، غضب اور عقاب سب اہل معصیت کیلئے ہے اور ہدایت ودلائل کے بعد کوئی گمراہ نہیں ہوسکتا ہے۔ بصرہ والو! اب تمہارا کیا خیال ہے کہ تم سے کیا سلوک کیا جائے گا، جبکہ تم نے میرے عہد کو توڑ دیا ہے اور میرے خلاف دشمن کا ساتھ دیا ہے؟ اس پر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہا کہ: ہم تو اچھے اور بہتر سلوک کی امید رکھتے ہیں۔ آپؑ نے میدان جیت لیا ہے۔ اب اگر سزا دیں گے تو ہم اس کے حقدار ہیں اور اگر معاف کر دیں گے تو یہ طریقہ پروردگار کو پسند ہے۔ یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: جاؤ میں نے

---

[1] انساب الاشراف، ج ۲، ص ۲۶۴، حدیث ۳۳۷۔

تم سب کو معاف کر دیا، لیکن خبردار اب فتنہ پردازی سے باز رہنا۔ اس لئے کہ تم نے عہد شکنی بھی کی ہے اور امت میں تفرقہ بھی پیدا کیا ہے۔ یہ کہہ کر آپؑ بیٹھ گئے اور لوگوں نے بیعت کرنا شروع کر دی۔[1]

[8] الْاِمَامُ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ عليه السلام: دَخَلْتُ عَلٰى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ. فَقَالَ: مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَكْرَمَ غَلَبَةً مِّنْ اَبِيْكَ. مَا هُوَ اِلَّآ اَنْ وَلَّيْنَا يَوْمَ الْجَمَلِ. فَنَادٰى مُنَادِيْهِ: لَا يُقْتَلُ مُدْبِرٌ وَّ لَا يُذَفَّفُ عَلٰى جَرِيْحٍ۔

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: میں مروان بن الحکم کے یہاں گیا تو وہ کہنے لگا: میں نے تمہارے جدّ (حضرت علی علیہ السلام) سے زیادہ کریم کوئی انسان نہیں دیکھا کہ جنگ جمل کے دن جیسے ہی ہم نے میدان چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا، عین اسی وقت اُن کے منادی نے اعلان کر دیا: خبردار! کسی بھاگنے والے کو قتل نہ کیا جائے اور نہ کسی زخمی کا خاتمہ کیا جائے۔[2]

[9] اِبْنُ اَبِي الْحَدِيْدِ فِيْ شَرْحِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ۔ فِيْ صِفَةِ عَلِيٍّ عليه السلام: وَاَمَّا الْحِلْمُ وَ الصَّفْحُ. فَكَانَ اَحْلَمَ النَّاسِ عَنْ ذَنْبٍ. وَ اَصْفَحَهُمْ عَنْ مُّسِيْءٍ. وَ قَدْ ظَهَرَ صِحَّةُ مَا قُلْنَاهُ يَوْمَ الْجَمَلِ، حَيْثُ ظَفِرَ بِمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ۔ وَكَانَ اَعْدَى النَّاسِ لَهٗ. وَ اَشَدَّهُمْ بُغْضًا۔ فَصَفَحَ عَنْهُ. وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ يَشْتِمُهٗ عَلٰى رُؤُوْسِ الْاَشْهَادِ. وَ خَطَبَ يَوْمَ الْبَصْرَةِ. فَقَالَ: قَدْ اَتَاكُمُ الْوَغْدُ اللَّئِيْمُ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ. وَكَانَ عَلِيٌّ عليه السلام يَقُوْلُ: مَا زَالَ الزُّبَيْرُ رَجُلًا مِّنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ حَتّٰى شَبَّ عَبْدُ اللّٰهِ. فَظَفِرَ بِهٖ يَوْمَ الْجَمَلِ. فَاَخَذَهٗ اَسِيْرًا. فَصَفَحَ عَنْهُ. وَ قَالَ: اِذْهَبْ فَلَا اَرَيَنَّكَ. لَمْ يَزِدْهُ عَلٰى ذٰلِكَ. وَ ظَفِرَ بِسَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ بَعْدَ وَقْعَةِ الْجَمَلِ بِمَكَّةَ۔ وَكَانَ لَهٗ عَدُوًّا۔ فَاَعْرَضَ عَنْهُ. وَ لَمْ يَقُلْ لَهٗ شَيْئًا. وَ قَدْ عَلِمْتُمْ مَا كَانَ مِنْ عَآئِشَةَ فِيْ اَمْرِهٖ. فَلَمَّا ظَفِرَ بِهَا اَكْرَمَهَا. وَ بَعَثَ مَعَهَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ عِشْرِيْنَ امْرَاَةً مِّنْ نِسَآءِ عَبْدِ الْقَيْسِ عَمَّمَهُنَّ بِالْعَمَآئِمِ وَ قَلَّدَهُنَّ بِالسُّيُوْفِ. فَلَمَّا كَانَتْ بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ ذَكَرَتْهُ بِمَا لَا يَجُوْزُ اَنْ يُّذْكَرَ بِهٖ. وَ تَاَفَّفَتْ وَ قَالَتْ: هَتَكَ سِتْرِيْ بِرِجَالِهٖ وَ جُنْدِهِ الَّذِيْنَ وَكَّلَهُمْ بِيْ. فَلَمَّا وَصَلَتِ الْمَدِيْنَةَ اَلْقَى النِّسَآءُ عَمَآئِمَهُنَّ. وَ قُلْنَ لَهَا: اِنَّمَا نَحْنُ نِسْوَةٌ. وَ حَارَبَهٗ اَهْلُ الْبَصْرَةِ. وَ ضَرَبُوْا وَجْهَهٗ وَ وُجُوْهَ اَوْلَادِهٖ بِالسُّيُوْفِ. وَ شَتَمُوْهُ وَ لَعَنُوْهُ. فَلَمَّا ظَفِرَ بِهِمْ رَفَعَ السَّيْفَ عَنْهُمْ. وَ نَادٰى

---

[1] الارشاد، ج ۱، ص ۲۵۷۔ الجمل، ص ۴۰۷۔

[2] السنن الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۱۴، حدیث ۱۶۷۴۶۔ المبسوط، ج ۷، ص ۲۶۴۔

مُنَادِيْهِ فِيْ اَقْطَارِ الْعَسْكَرِ: اَلَا لَا يُتْبَعُ مُوَلٍّ، وَ لَا يُجْهَزُ عَلٰى جَرِيْحٍ، وَ لَا يُقْتَلُ مُسْتَاسِرٌ، وَ مَنْ اَلْقٰى سِلَاحَهٗ فَهُوَ اٰمِنٌ، وَ مَنْ تَحَيَّزَ اِلٰى عَسْكَرِ الْاِمَامِ فَهُوَ اٰمِنٌ. وَ لَمْ يَاْخُذْ اَثْقَالَهُمْ، وَ لَا سَبٰى ذَرَارِيَّهُمْ، وَ لَا غَنِمَ شَيْئًا مِّنْ اَمْوَالِهِمْ، وَ لَوْ شَآءَ اَنْ يَّفْعَلَ كُلَّ ذٰلِكَ لَفَعَلَ، وَ لٰكِنَّهٗ اَبٰى اِلَّا الصَّفْحَ وَ الْعَفْوَ، وَ تَقَيَّلَ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، فَاِنَّهٗ عَفَا وَ الْاَحْقَادُ لَمْ تَبْرُدْ، وَ الْاِسَآئَةُ لَمْ تُنْسَ۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام حلم و درگزر کے معاملے میں تمام لوگوں سے زیادہ معاف کرنے والے اور حلیم تھے جس کا مظاہرہ جنگ جمل کے دن اس وقت سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جب آپؑ نے مروان بن الحکم پر قابو حاصل کر لیا جو آپؑ کا شدید ترین اور بدترین دشمن تھا لیکن اس کے باوجود آپؑ نے اسے چھوڑ دیا۔ یہی حال عبداللہ بن زبیر کا تھا کہ برملا آپؑ کو ناسزا کہا کرتا تھا اور روز جمل بھی اس نے اپنے خطبہ میں آپ کو ''لئیم اور ذلیل'' جیسے الفاظ سے یاد کیا تھا اور آپؑ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک یہ بدبخت جوان نہیں ہوا زبیر ہمارے ساتھ تھا اور اس کے بعد اس نے اسے گمراہ کر دیا، لیکن اس کے باجود جب وہ آپ کے قبضہ میں آ گیا تو اسے معاف کر دیا اور فرمایا: یہاں سے دور ہو جاؤ اور آئندہ کبھی میرے سامنے مت آنا۔ یہی کیفیت جمل کے بعد سعید بن العاص کی تھی کہ جب وہ مکہ میں پکڑا گیا تو سخت ترین دشمن ہونے کے باوجود آپؑ نے اسے کچھ نہیں کہا اور اسے نظر انداز کر دیا۔ پھر بی بی عائشہؓ کے بارے میں تو آپؑ کا سلوک بالکل واضح ہے کہ آپ نے انہیں بیس عورتوں کے ساتھ مدینہ واپس کر دیا اور عورتوں کو مرد سپاہیوں کا لباس پہنا دیا اور تلواریں ساتھ کر دیں، لیکن آپ راستہ میں بھی تنقید کرتی رہیں کہ ہمیں انہوں نے مردوں کے لشکر کے حوالہ کر دیا۔ مگر جب مدینہ پہنچ کر ان عورتوں نے فوجی لباس اتارا اور بی بی عائشہؓ سے کہا: ہم تو عورتیں ہیں۔ اسی طرح اہل بصرہ نے آپؑ سے جنگ کی، آپؑ کو اور آپؑ کی اولاد کو تلواروں کا نشانہ بنایا لیکن جب آپؑ نے فتح حاصل کر لی تو تلوار نہیں اٹھائی بلکہ اعلان عام کرا دیا کہ خبردار کسی بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی زخمی کو مارا نہ جائے، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اسلحہ رکھ دے یا میرے لشکر کی پناہ میں آ جائے اسے پناہ دیدی جائے، مال غنیمت پر قبضہ نہ کیا جائے، بچوں کو اسیر نہ کیا جائے، حالانکہ آپؑ کو یہ سب کچھ کرنے کا حق اور اختیار حاصل تھا،

لیکن آپؑ نے عفو و درگزر کے علاوہ کوئی اقدام نہیں کیا اور روز فتح مکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کی یاد تازہ کردی کہ آپ ﷺ نے بھی عفو و درگزر سے کام لیا تھا حالانکہ اہل مکہ کی عداوتیں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں اور ان کی زیادتیاں بھلائی نہیں جاسکی تھیں۔[1]

[10] اَلْاِمَامُ الْحَسَنُ علیہ السلام: اُخِذَ ابْنُ مُلْجَمٍ، فَاُدْخِلَ عَلٰی عَلِیٍّ علیہ السلام، فَقَالَ: اَطْعِمُوْا طَعَامَهٗ وَ اَلْیِنُوْا فِرَاشَهٗ، فَاِنْ اَعِشْ فَاَنَا وَلِیُّ دَمِیْ، عَفْوٌ اَوْ قِصَاصٌ، وَ اِنْ مِتُّ فَاَلْحِقُوْهُ بِیْ اُخَاصِمُهٗ عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حضرت امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں: ابن ملجم کو گرفتار کر کے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا: اس کیلئے اچھے کھانے اور آرام دہ بستر کا انتظام کیا جائے۔ اگر میں زندہ رہ گیا تو میں خود صاحب اختیار ہوں چاہے تو اسے معاف کروں یا بدلہ لوں اور اگر میں نہ بچ سکا تو اسے بھی میرے پاس پہنچا دینا تا کہ خدا کی بارگاہ میں فیصلہ کرایا جاسکے۔[2]

[11] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ علیہ السلام: اِنَّ عَلِیًّا علیہ السلام قَالَ فِی ابْنِ مُلْجَمٍ بَعْدَ مَا ضَرَبَهٗ: اَطْعِمُوْهُ وَ اَسْقُوْهُ، اَحْسِنُوْا اِسَارَهٗ، فَاِنْ عِشْتُ فَاَنَا وَلِیُّ دَمِیْ، اَعْفُوْ اِنْ شِئْتُ وَ اِنْ شِئْتُ اسْتَقَدْتُ، وَ اِنْ مِتُّ فَقَتَلْتُمُوْهُ فَلَا تُمَثِّلُوْا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام نے زخمی ہونے کے بعد ابن ملجم کے بارے میں فرمایا: اس کے کھانے پینے کا انتظام کرو اور اچھا برتاؤ کرو۔ پس اگر میں زندہ رہ گیا تو میں اپنے خون کا حقدار ہوں چاہے معاف کروں یا بدلہ لوں اور اگر میں شہید ہو گیا اور تم نے اسے قصاص میں قتل کر دیا تو خبردار! اس کی لاش کی بے حرمتی مت کرنا۔[3]

[12] رُوِیَ اَنَّهٗ جَنٰی غُلَامٌ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ جِنَایَةً تُوْجِبُ الْعِقَابَ، فَاَمَرَ بِهٖ اَنْ یُّضْرَبَ، فَقَالَ: یَا مَوْلَایَ! ﴿وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ﴾، قَالَ: خَلُّوْا عَنْهُ، قَالَ: یَا مَوْلَایَ! ﴿وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ﴾، قَالَ: قَدْ عَفَوْتُ عَنْكَ، قَالَ: یَا مَوْلَایَ! ﴿وَ

---

[1] شرح نہج البلاغۃ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۲۲ و ۲۳۔

[2] اُسد الغابۃ، ج ۴، ص ۱۱۳۔ تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۳۰۰، حدیث ۱۴۰۰۔ انساب الاشراف، ج ۲، ص ۴۹۵، حدیث ۵۲۹۔

[3] السنن الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۱۷، حدیث ۱۶۷۵۹۔ تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۲۹۷، حدیث ۱۳۹۸۔

اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[1]. قَالَ: اَنْتَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ. وَلَكَ ضِعْفُ مَا كُنْتُ اُعْطِيْكَ۔

مروی ہے کہ: ایک غلام سے حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ کوئی قابل سزا زیادتی سرزد ہوگئی تو آپؑ نے اسے (تازیانہ) مارنے کا حکم دیا۔ اس نے عرض کی: مولا! ارشاد رب العزت ہے: ''صاحبانِ تقویٰ غصہ کو پی جاتے ہیں'' یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ اس نے عرض کی: مولا! اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''اور وہ لوگوں کی غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں''۔ آپؑ نے فرمایا: میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اس نے اسی فرمان الٰہی کا تیسرا حصہ پڑھا کہ: ''اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''، تو آپ نے فرمایا: جا! میں تجھے راہ خدا میں آزاد کرتا ہوں اور تجھے پہلے سے دوگنا مال بھی دیتا ہوں۔[2]

[13] اَلْحُرُّ بْنُ يَزِيْدَ۔ فِيْ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ لِلْحُسَيْنِ عليه السلام: جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاكَ. يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! اَنَا صَاحِبُكَ الَّذِيْ حَبَسْتُكَ عَنِ الرُّجُوْعِ. وَ سَايَرْتُكَ فِي الطَّرِيْقِ. وَ جَعْجَعْتُ بِكَ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ. وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ! مَا ظَنَنْتُ اَنَّ الْقَوْمَ يَرُدُّوْنَ عَلَيْكَ مَا عَرَضْتَ عَلَيْهِمْ اَبَدًا ... وَ اِنِّيْ قَدْ جِئْتُكَ تَآئِبًا مِمَّا كَانَ مِنِّيْ اِلٰى رَبِّيْ. وَ مُوَاسِيًا لَكَ بِنَفْسِيْ حَتّٰى اَمُوْتَ بَيْنَ يَدَيْكَ. اَفَتَرٰى ذٰلِكَ لِيْ تَوْبَةً؟ قَالَ: نَعَمْ. يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْكَ. وَ يَغْفِرُ لَكَ. مَا اسْمُكَ؟ قَالَ: اَنَا الْحُرُّ بْنُ يَزِيْدَ. قَالَ: اَنْتَ الْحُرُّ كَمَا سَمَّتْكَ اُمُّكَ. اَنْتَ الْحُرُّ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ. اِنْزِلْ. قَالَ: اَنَا لَكَ فَارِسًا خَيْرٌ مِنِّيْ رَاجِلًا. اُقَاتِلُهُمْ عَلٰى فَرَسِيْ سَاعَةً. وَاِلَى النُّزُوْلِ مَا يَصِيْرُ اٰخِرُ اَمْرِيْ. قَالَ الْحُسَيْنُ: فَاصْنَعْ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ مَا بَدَا لَكَ۔

روز عاشورا حر بن یزید ریاحی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آ کر عرض کی: آپؑ پر قربان جاؤں! اے فرزند رسولؐ! میں وہی شخص ہوں جس نے آپؑ کا راستہ روکا تھا اور آپؑ کو ساتھ لے کر آیا تھا اور اس لق و دق صحراء میں محصور کر دیا تھا۔ خدائے وحدہ لاشریک کی قسم! مجھے نہیں معلوم تھا کہ قوم آپؑ کے مطالبہ کو ٹھکرا دے گی۔ خیر، اب میں اپنے گناہوں کی توبہ کیلئے حاضر ہوا ہوں اور آپؑ پر قربان ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایئے! کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ یہ سن کر سیّد الشہداء علیہ السلام نے فرمایا: بیشک خداوند عالم توبہ کا قبول کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔ بتا تیرا نام کیا ہے؟ حر نے عرض کی: میں

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۴۔

[2] الفرج بعد الشدۃ، ج ۱، ص ۱۰۱۔

حر بن یزید ہوں۔فرمایا: جس طرح تیری ماں نے تیرا نام رکھا ہے، تو واقعی حر (آزاد) ہے، خدا کی قسم! تو دنیا و آخرت دونوں میں آزاد ہے۔اب گھوڑے سے اتر آؤ۔حر نے عرض کی: مولا! اب اسی طرح جہاد کی اجازت دیدیں اور اترنے کیلئے نہ فرمائیں، یہاں تک کہ گھوڑے سے گرایا جاؤں۔آپؑ نے فرمایا: تمہیں اختیار ہے، جو چاہو کرو خدا تم پر رحمت نازل کرے گا۔[1]

[14] عَبدُ اللهِ بنُ مُحَمَّدٍ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّزّاقِ. يَقُولُ: جَعَلَتْ جارِيَةٌ لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ تَسْكُبُ عَلَيْهِ الْمَآءَ يَتَهَيَّأُ لِلصَّلٰوةِ. فَسَقَطَ الْإِبْرِيْقُ مِنْ يَدِ الْجَارِيَةِ عَلٰى وَجْهِهٖ فَشَجَّهٗ. فَرَفَعَ عَلِيُّ بنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ رَأْسَهٗ اِلَيْهَا. فَقَالَتِ الْجَارِيَةُ: اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ: ﴿وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾. فَقَالَ لَهَا: قَدْ كَظَمْتُ غَيْظِيْ. قَالَتْ: ﴿وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ﴾. قَالَ: قَدْ عَفَا اللهُ عَنْكِ. قَالَتْ: ﴿وَ اللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾[2]. قَالَ: فَاذْهَبِيْ فَأَنْتِ حُرَّةٌ۔

عبداللہ بن محمد کہتے ہیں: میں نے عبدالرزاق کو یہ کہتے سنا ہے کہ: حضرت امام زین العابدین علیہ السلام وضو کی تیاری میں تھے اور ایک کنیز پانی انڈیل رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے لوٹا گر گیا اور حضرتؑ کا چہرۂ مبارک زخمی ہوگیا۔آپؑ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنا چاہا تو اس نے فوراً قرآن مجید کی آیہ مجیدہ کا یہ حصہ پڑھا (جس میں ارشاد ہے): ''صاحبانِ تقویٰ غصہ کو پی جاتے ہیں''۔اس پر آپؑ نے فرمایا: میں نے غصہ کو ضبط کرلیا۔اس نے دوسرا ٹکڑا پڑھا: ''اور وہ لوگوں کی غلطیوں کو معاف کردیتے ہیں''۔آپؑ نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کردیا۔اس نے اس کا تیسرا ٹکڑا پڑھا: ''اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔آپؑ نے فرمایا: جا! میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کردیا۔[3]

(جاری ہے)

*****

---

[1] تاریخ الطبری، ج ۵، ص ۴۲۷۔اعلام الوریٰ، ص ۲۳۹۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۴۔

[3] الفرج بعد الشدۃ، ج ۱، ص ۱۰۱۔

قسط:24

شرحِ چہل حدیث

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ

چوتھی فصل: صبر کے نتائج

واضح رہے کہ صبر کے بہت سے نتائج ہیں۔ ان میں سے ریاضت اور نفس کی تربیت بھی ہے۔ اگر انسان ناخوشگوار واقعات، زمانے کے مصائب وآلام، مشقت عبادات، زحمت مناسک اور نفسانی لذات کے ترک کرنے کی تلخیوں پر ایک مدت تک بمطابق فرمان خداوند عالم صبر کرے اور مشقتوں کو خواہ وہ سخت وناگوار ہوں برداشت کرے تو رفتہ رفتہ نفس کو اس کی عادت ہوجائے گی اور وہ عادی ہوجائے گا اور سرکشی سے باہر آجائے گا، مشقتوں کی سختیوں کو برداشت کرنا اس کیلئے آسان ہوجائے گا اور اس کے اندر ایک نورانی اور راسخ ملکہ پیدا ہوجائے گا جس کی وجہ سے وہ مقام صبر سے ترقی کرکے دیگر بلند مقامات تک پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ معاصی پر صبر، تقوائے نفس کی بنیاد بنتا ہے اور طاعتوں پر صبر کرنے کا مقصد خدا سے انس ہوتا ہے، بلاؤں پر صبر کرنا، قضائے الٰہی پر خوشنودی ورضا کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہ سب اہل ایمان، بلکہ اہل عرفان کے بلند مقامات میں سے ہیں۔

اہل بیت اطہار علیہم السلام کی حدیثوں میں صبر کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ. فَاِذَا ذَهَبَ الرَّاْسُ ذَهَبَ الْجَسَدُ. كَذٰلِكَ اِذَا ذَهَبَ الصَّبْرُ ذَهَبَ الْاِیْمَانُ۔

ایمان کیلئے صبر کی وہی حیثیت ہے جو جسم کیلئے سر کی ہوتی ہے۔ جس طرح سر نہ رہے
تو جسم ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر صبر نہ رہے تو ایمان ختم ہو جاتا ہے۔[1]

ایک اور حدیث میں حضرت امام سجاد علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

الصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ وَ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا صَبْرَ لَهٗ۔

ایمان کیلئے صبر کی وہی حیثیت ہے جو جسم کیلئے سر کی ہوتی ہے۔ پس جس کے پاس صبر
نہیں اس کے پاس ایمان بھی نہیں ہے۔[2]

اس سلسلے میں بہت زیادہ احادیث موجود ہیں۔ ہم آگے چل کر مناسب مقام پر ان میں سے بعض احادیث کو ذکر کریں گے۔

صبر، سعادت کے دروازوں کی کنجی اور ہلاکتوں سے نجات کا ذریعہ ہے، بلکہ صبر بلیات کو انسان پر آسان اور مشکلات کو سہل کر دیتا ہے، عزم و ارادے کو تقویت دیتا ہے اور مملکت روح کو خود مختار بنا دیتا ہے۔ (اس کے مقابلے میں) بے صبری باعث شرم اور ضعف نفس کی دلیل ہے اور یہ انسان کو بے ثبات، اس کے ارادے کو کمزور اور عقل کو سست کر دیتی ہے۔

جناب محقق خبیر خواجہ نصیر الدین طوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَ هُوَ ـ اَیِ الصَّبْرَ ـ یَمْنَعُ الْبَاطِنَ عَنِ الْاِضْطِرَابِ، وَ اللِّسَانِ عَنِ الشِّکَایَةِ، وَ الْاَعْضَاءَ عَنِ الْحَرَکَاتِ الْغَیْرِ الْمُعْتَادَةِ۔

صبر انسان کے باطن کو اضطراب سے، زبان کو شکایت سے اور اعضاء کو غیر معمولی حرکتوں سے روک دیتا ہے۔[3]

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۸۷، کتاب ایمان و کفر، باب صبر، حدیث ۲۔

[2] اصول کافی، ج ۲، ص ۸۷، کتاب ایمان و کفر، باب صبر، حدیث ۴۔

[3] اوصاف الاشراف، ص ۱۰۷، فصل ۵، باب ۳۔

اس کے برخلاف غیر صابر انسان کا باطن و دل مضطرب و وحشت ناک اور قلب لرزاں و متزلزل ہوتا ہے جو کہ بذات خود بہت بڑی مصیبت اور بہت بڑی بلا ہے جو انسان کے سر پر نازل ہوتی ہے اور انسان سے آرام و سکون کو سلب کر لیتی ہے۔ جبکہ صبر مصیبت کو ہلکا کرتا ہے، دل کو بلاؤں پر غلبہ دیتا ہے اور ارادے کو مصیبتوں پر قاہر بناتا ہے۔ بے صبر انسان کی زبان شکایت کیلئے ہر کس و ناکس کے سامنے کھل جاتی ہے اور یہ چیز لوگوں کے سامنے رسوائی، بے ثباتی، خفت نفس اور لوگوں کی نظروں سے گر جانے کے علاوہ ملائکہ اور بارگاہ قدس الٰہی میں بے قدری کا سبب بھی بنتی ہے۔

جو شخص خدا اور محبوب مطلق کی طرف سے آئی ہوئی ایک مصیبت کو برداشت نہیں کر سکتا اور جو شخص اپنے ولی نعمت کی ہزاروں نعمتوں کو دیکھنے اور ہمیشہ اس میں ڈوبے رہنے کے باوجود ایک مصیبت کو دیکھ کر مخلوق خدا کے سامنے زبان شکایت کھول دے، بھلا اس کا ایمان کیا ہے اور وہ مقام مقدس خدا کے سامنے کیسی تسلیم و رضا کا حامل ہے؟ لہٰذا یہ بات صحیح ہے کہ جس کے پاس صبر نہیں، اس کے پاس ایمان نہیں ہے۔ اے خدا کے بندے! اگر خدا پر تیرا ایمان ہوتا اور تو درپیش معاملات کو قدرت کاملہ کا کرشمہ سمجھتا، تو کسی اور کو ان امور میں با اختیار نہ سمجھتا اور زمانے کی مصیبتوں کی شکایت غیر خدا سے نہ کرتا، بلکہ ان کو دل و جان سے قبول کر کے خدا کا شکر ادا کرتا۔

پس یہ باطنی اضطراب، زبانی شکایتیں، اعضاء (و جوارح) کی غیر معمولی و بری حرکتیں، سب گواہ ہیں کہ ہم اہل ایمان نہیں ہیں۔ جب تک نعمت مل رہی ہے ظاہری طور پر شکر ادا کرتے ہیں، مگر وہ بھی بے مغز، بلکہ (یہ شکر بھی) زیادہ ہونے کے لالچ میں کرتے ہیں۔ مگر جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے یا کسی درد یا بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو خدا کی شکایتیں اس کی مخلوق سے کرنے لگتے ہیں اور ہر کس و ناکس کے سامنے شکوہ اور اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ یہ شکایتیں اور جزع و فزع خدا اور قضائے الٰہی کے بارے میں نفس کے اندر بغض و عناد کے بیج بونے لگتی ہیں جو آہستہ آہستہ درخت بن کر طاقتور ہوتا رہتا ہے اور پھر ملکہ بن جاتا ہے، بلکہ (اگر) خدانخواستہ باطن ذات کی صورت، قضائے حق اور دشمنی حق کی صورت بغض اختیار کر لے تو پھر ہاتھوں سے لگام چھوٹ جاتی ہے اور اختیار کی مہار ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور

انسان خدا کا دشمن بن جاتا ہے اور بالآخر خدا کی دشمنی لئے ہوئے اس دنیا سے کوچ کرتا ہے اور شقاوت ابدی وظلمت دائمی سے دوچار ہوجاتا ہے۔ میں ایسے برے انجام اور عارضی ایمان سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ پس یہ بالکل درست ہے کہ جب صبر چلا جاتا ہے تو ایمان بھی رخصت ہوجاتا ہے۔

میرے عزیز! مطلب بہت اہم اور راہ بہت خطرناک ہے۔ دل وجان سے کوشش کر کے حوادث دنیا پر صبر و بردباری کو اپنی ذات کا حصہ بنالو، مصیبتوں اور بلاؤں کا مردانہ وار مقابلہ کرو، نفس کو سمجھاؤ کہ جزع وفزع اپنی جگہ پر خود ایک ننگ وعار ہے۔ اس سے مصیبتوں اور بلاؤں کے دور کرنے میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ قضائے الٰہی اور خدا کے حتمی ارادے کی کمزور ضعیف اور ناتواں مخلوق کے سامنے شکایت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ کافی کی حدیث شریف میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

عَنْ سَمَاعَةَ بْنِ مِهْرَانَ عَنْ اَبِي الْحَسَنِ عليه السلام قَالَ قَالَ لِي: مَا حَبَسَكَ عَنِ الْحَجِّ؟ قَالَ: قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ! وَقَعَ عَلَيَّ دَيْنٌ كَثِيْرٌ وَ ذَهَبَ مَالِيْ وَ دَيْنِيَ الَّذِيْ قَدْ لَزِمَنِيْ هُوَ اَعْظَمُ مِنْ ذَهَابِ مَالِي، فَلَوْ لَا اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِنَا اَخْرَجَنِيْ مَا قَدَرْتُ اَنْ اَخْرُجَ. فَقَالَ لِي: اِنْ تَصْبِرْ تُغْتَبَطْ وَ اِلَّا تَصْبِرْ يُنْفِذِ اللّٰهُ مَقَادِيْرَهُ رَاضِيًا كُنْتَ اَمْ كَارِهًا۔

سماعہ بن مہران کہتے ہیں: حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تم کو کس چیز نے حج سے روک رکھا ہے؟ میں نے عرض کی: میری جان آپؑ پر فدا ہوجائے! میں بہت مقروض ہوں اور میرا مال چلا گیا، مال کے چلے جانے سے زیادہ اہمیت قرض کی ہے۔ اگر میرے ایک دوست نے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں اس بار سے سبکدوش نہیں ہوسکتا تھا۔ پھر حضرت علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: (ایسے مشکل حالات میں) اگر صبر کرو گے تو قابل رشک رہو گے اور اگر صبر نہ کرو گے تو خدا اپنی تقدیرات جاری کر کے رہے گا، چاہے تمہیں خوشگوار گزرے یا ناگوار۔[1]

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۸۷، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۱۰۔

اس سے معلوم ہوا کہ جزع وفزع سے کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ اس میں بہت ہولناک قسم کے نقصانات پوشیدہ ہیں اور اس کے پیچھے ایمان سوز ہلاکتیں ہیں اور خود صبر و بردباری کے اندر ثواب جزیل و اجر جمیل، خوبصورت صورتیں اور شریف برزخی تصویریں ملتی ہیں۔ جیسا کہ زیر بحث حدیث شریف جس کی ہم شرح کر رہے ہیں، میں ارشاد ہے:

وَ كَذٰلِكَ الصَّبْرُ يُعَقِّبُ خَيْرًا. فَاصْبِرُوْا وَ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ عَلَى الصَّبْرِ تُؤْجَرُوْا۔

اسی طرح صبر اپنے پیچھے نیک اثرات رکھتا ہے، لہٰذا صبر کرو اور اپنے نفوس کو صبر پر آمادہ کرو، کہ اس پر تم اجر (وثواب) کے حقدار ٹھہرو گے۔

پس صبر اس دنیا میں بھی نیک انجام کا حامل ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال سے معلوم ہوتا ہے اور یہ آخرت میں بھی اجر وثواب کا موجب بنے گا۔

کافی شریف میں ابوحمزہ ثمالی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِبَلَآءٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِ كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ اَلْفِ شَهِيْدٍ۔

جو مومن کسی بلا میں گرفتار ہو اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کو ہزار شہید کا اجر ملے گا۔[1]

اس باب میں بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں جن میں سے بعض کو میں اس کے بعد والی فصل میں ذکر کروں گا۔ اب رہی یہ بات کہ صبر کی برزخی صورت بہت ہی اچھی وخوبصورت ہے تو یہ بات برہان کے مطابق ہونے کے علاوہ احادیث شریفہ سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں نقل ہوا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اِذَا دَخَلَ الْمُؤْمِنُ فِيْ قَبْرِهٖ كَانَتِ الصَّلٰوةُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ الزَّكٰوةُ عَنْ يَسَارِهٖ وَ الْبِرُّ مُطِلٌّ عَلَيْهِ وَ يَتَنَحَّى الصَّبْرُ نَاحِيَةً. فَاِذَا دَخَلَ عَلَيْهِ الْمَلَكَانِ اللَّذَانِ يَلِيَانِ مُسَئَلَتَهٗ. قَالَ الصَّبْرُ لِلصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ وَ

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۸۷، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۱۷۔

الْبِرِّ: دُوْنَكُمْ صَاحِبَكُمْ. فَإِنْ عَجَزْتُمْ عَنْهُ فَأَنَا دُوْنَهُ۔

جب مومن اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے تو نماز اس کے داہنی طرف اور زکوۃ بائیں طرف اور نیکیاں سر پر سایہ فگن ہوتی ہیں اور صبر ایک طرف رہتا ہے۔ پھر جب نکیر و منکر اس سے سوال کیلئے آتے ہیں تو صبر، نماز و زکات اور نیکیوں سے کہتا ہے: اپنے دوست کا ساتھ دو! اگر تم اس سے عاجز آ گئے تو میں اس کی مدد کروں گا۔[1]

پانچویں فصل: صبر کے درجات

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کے چند درجات ہیں اور انہی درجات کے اعتبار سے اس کا اجر و ثواب مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ کافی میں حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّبْرُ ثَلَاثَةٌ: صَبْرٌ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ وَ صَبْرٌ عَلَى الطَّاعَةِ وَ صَبْرٌ عَنِ الْمَعْصِيَةِ. فَمَنْ صَبَرَ عَلَى الْمُصِيْبَةِ حَتّٰى يَرُدَّهَا بِحُسْنِ عَزَآئِهَا كَتَبَ اللهُ لَهُ ثَلَاثَمِائَةِ دَرَجَةٍ مَّا بَيْنَ الدَّرَجَةِ اِلَى الدَّرَجَةِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ. وَ مَنْ صَبَرَ عَلَى الطَّاعَةِ كَتَبَ اللهُ لَهُ سِتَّمِائَةِ دَرَجَةٍ مَّا بَيْنَ الدَّرَجَةِ اِلَى الدَّرَجَةِ كَمَا بَيْنَ تُخُوْمِ الْاَرْضِ اِلَى الْعَرْشِ. وَ مَنْ صَبَرَ عَنِ الْمَعْصِيَةِ كَتَبَ اللهُ لَهُ تِسْعَمِائَةِ دَرَجَةٍ مَّا بَيْنَ الدَّرَجَةِ اِلَى الدَّرَجَةِ كَمَا بَيْنَ تُخُوْمِ الْاَرْضِ اِلَى مُنْتَهَى الْعَرْشِ۔

صبر تین قسم کا ہیں: مصیبت پر صبر، اطاعت پر صبر اور معصیت پر صبر۔ پس جو مصیبت پر صبر کر کے اس کے غم کو اچھی طرح واپس کر دے (یعنی صبر جمیل کے ذریعے مصیبت کی شدت کو لوٹا دے) خدا اس کیلئے تین سو درجے لکھتا ہے کہ ایک درجے کا دوسرے درجے سے اتنا فاصلہ ہوتا ہے جتنا زمین و آسمان میں فاصلہ ہے، اور جو طاعت پر صبر کرتا ہے خدا اس کیلئے چھ سو درجے لکھتا ہے کہ ایک درجے کا فاصلہ دوسرے درجے سے اتنا فاصلہ ہوتا

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۸۷، کتاب ایمان و کفر، باب صبر، حدیث ۸۔

ہے جتنا زمین کی گہرائی سے عرش کا فاصلہ ہے، اور جو معصیت پر صبر کرتا ہے اس کیلئے اللہ
نو سو درجے لکھتا ہے کہ ایک درجے سے دوسرے درجے تک کا فاصلہ زمین کی جڑ سے
عرش کی انتہا تک کے برابر ہوتا ہے۔[1]

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ معصیت سے صبر کا درجہ صبر کے باقی تمام مراتب سے افضل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے درجات بھی زیادہ ہیں اور درجات کے درمیان وسعت بھی زیادہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہشت کی وسعت اس سے کہیں زیادہ ہے جو ہم محجوبین ومقیدین کے ذہن میں ہے اور جو بہشت کی حد بندی کہا گیا ہے کہ: ﴿عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾[2] ''اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے عرض کے برابر ہے''، یہ شاید بہشتِ اعمال کی حد بندی ہے، جبکہ اس حدیث شریف میں بہشت اخلاق (کا ذکر) آیا ہے اور بہشت اخلاق کا میزان ارادے کی قوت اور کمال ہے اس لئے اس کی کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی۔

بعض علماء نے فرمایا کہ: یہاں ''بلندی'' مراد ہے اور آیت شریفہ میں ''عرض'' مراد ہے۔[3]

عین ممکن ہے کہ یہ دونوں آراء درست ہوں، کیونکہ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے عرض میں (دونوں) برابر ہوں اور بلندی میں مختلف ہوں (مگر) ہماری نظر میں یہ بعید ہے۔ اس لئے کہ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ''عرض'' سے وسعت مقصود ہے نہ کہ وہ عرض (چوڑائی) جو طول (لمبائی) کے مقابل بولا جاتا ہے، جیسے سماوات وارض میں بھی عرض بمقابل اس طول کے نہیں ہے جو عرفاً ولغۃً مفہوم ہیں۔ اگرچہ طبیعی علوم کے ماہرین کی اصطلاح میں ''عرض'' دوسرے پہلو کے معنی میں آیا ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ قرآن مروجہ اصطلاحات کے مطابق گفتگو نہیں کرتا۔

کافی شریف میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۸۷، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۱۵۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۳۔

[3] مراۃ العقول، ج ۸، ص ۱۳۸، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۱۵۔

سَيَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَّا يُنَالُ الْمُلْكُ فِيْهِ اِلَّا بِالْقَتْلِ وَ التَّجَبُّرِ وَ لَا الْغِنٰى اِلَّا بِالْغَصْبِ وَ الْبُخْلِ وَ لَا الْمَحَبَّةُ اِلَّا بِاسْتِخْرَاجِ الدِّيْنِ وَ اتِّبَاعِ الْهَوٰى. فَمَنْ اَدْرَكَ ذٰلِكَ الزَّمَانَ فَصَبَرَ عَلَى الْفَقْرِ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى الْغِنٰى وَ صَبَرَ عَلَى الْبِغْضَةِ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى الْمَحَبَّةِ وَ صَبَرَ عَلَى الذُّلِّ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى الْعِزِّ. اٰتَاهُ اللّٰهُ ثَوَابَ خَمْسِيْنَ صِدِّيْقًا مِمَّنْ صَدَّقَ بِيْ۔

عنقریب میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں حکومت واقتدار صرف قتل و جبر سے حاصل ہوگی، دولت وثروت غصب اور بخل سے حاصل ہوگی اور محبت و چاہت صرف دین سے منہ موڑ کر اور خواہشات نفسانی کی پیروی کر کے حاصل کی جا سکے گی۔ پس جو شخص اس زمانہ کو پالے اور مالداری پر قدرت کے باوجود ناداری پر صبر کرے، لوگوں کی محبت حاصل کرنے کی بجائے ان کی نفرت ودشمنی پر صبر کرے، عزت حاصل کر سکنے کے باوجود ذلت پر صبر کرے تو خدا تعالیٰ اس کو ایسے پچاس صدیقوں کا ثواب عطا کرے گا جنہوں نے میری تصدیق کی ہو۔[1]

اس مضمون کے قریب ایک اور حدیث حضرت علی علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔[2]

خلاصہ یہ کہ اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں نقل ہوئی ہیں مگر ہم نے صرف چند احادیث شریفہ نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

چھٹی فصل: اہل معرفت کے درجاتِ صبر

جان لو کہ یہاں تک جو ذکر ہوا وہ عوام ومتوسطین کے حالات کے متعلق تھا، جیسا کہ اس حدیث کے شروع کی فصلوں میں ہم نے اشارہ کیا کہ صبر کو متوسطین کے مقامات میں شمار کیا گیا ہے، لیکن صبر کے دوسرے درجات بھی ہیں جو اہل سلوک، کاملین اور اولیاء سے متعلق ہیں:

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۸۷، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۱۲۔

[2] بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۷۶، کتاب ایمان وکفر، باب ۶۲، حدیث ۶۔

پس ان میں سے ایک درجہ ''صبر فی اللہ'' ہے۔ یعنی میدان جہاد میں ثابت قدمی اور پسندیدہ اور محبوب چیزوں کو، بلکہ خود اپنے آپ کو راہ محبوب میں ترک کر دینا اور یہ اہل سلوک سے متعلق ہے۔

دوسرا درجہ ''صبر مع اللہ'' ہے۔ یہ ان اہل حضور مشاہدین جمال سے متعلق ہے جب وہ زیور بشریت سے خارج ہوں، افعال وصفات کے لباس سے مجرد ہوں اور ان کے قلوب اسماء وصفات کی تجلیات سے روشن ہوں، واردات انس و ہیبت ان پر وارد ہوں، تلونات سے نفس محفوظ اور مقام انس وشہود سے غیبت ہو۔

تیسرا مرتبہ ''صبر عن اللہ'' ہے۔ یہ ان عشاق ومشتاقین کا درجہ ہے جو اہل شہود وعیان ہوں اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ لوگ اپنے عالم کی طرف رجوع کریں اور عالم کثرت وہوشیاری کی طرف پلٹ آئیں۔ یہ سب سے دشوار تر اور مشکل تر مرتبہ ہے۔

مولائے سالکان اور پیشوائے کاملان امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے دُعائے کمیل میں درج ذیل جملے میں اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ہے:

فَهَبْنِيْ. يَآ اِلٰهِيْ وَ سَيِّدِيْ وَ مَوْلَايَ. صَبَرْتُ عَلٰى عَذَابِكَ. فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَلٰى فِرَاقِكَ۔

معبود! فرض کر لے کہ میں تیرے عذاب پر صبر کر لوں، مگر تیرے فراق پر کیونکر صبر کر سکتا ہوں۔[1]

نیز کتب عرفان میں ملتا ہے:

اَنَّ شَابًّا مِّنَ الْمُحِبِّيْنَ سَئَلَ الشِّبْلِيَّ عَنِ الصَّبْرِ، فَقَالَ: اَيُّ الصَّبْرِ اَشَدُّ؟ فَقَالَ: الصَّبْرُ لِلّٰهِ، فَقَالَ: لَا، فَقَالَ: الصَّبْرُ بِاللّٰهِ، فَقَالَ: لَا، فَقَالَ: الصَّبْرُ عَلَى اللّٰهِ، فَقَالَ: لَا، فَقَالَ: الصَّبْرُ فِي اللّٰهِ. فَقَالَ: لَا، فَقَالَ: الصَّبْرُ مَعَ اللّٰهِ، فَقَالَ: لَا، فَقَالَ: وَيْحَكَ فَاَيُّ؟ فَقَالَ: الصَّبْرُ عَنِ اللّٰهِ، فَشَهِقَ الشِّبْلِيُّ وَ خَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ۔

---

[1] مصباح المتہجد وسلاح المتعبد، ص ۵۸۷، اعمال نیمہ شعبان کے ضمن میں۔

محبین میں سے ایک جوان نے شبلی سے صبر کے بارے میں پوچھا کہ کونسا صبر زیادہ شدید و مشکل ہے؟ شبلی نے کہا: صبر للہ، اس نے کہا: نہیں۔ پھر شبلی نے کہا: صبر باللہ، اس نے کہا: نہیں۔ پھر کہا: صبر علی اللہ، جوان نے کہا: نہیں۔ شبلی نے کہا: صبر فی اللہ، جوان نے کہا: یہ بھی نہیں۔ شبلی نے کہا: صبر مع اللہ، جوان نے کہا: نہیں۔ اس پر شبلی بولے: تجھ پر وائے ہو! پھر وہ کونسا صبر ہے؟ اس نے کہا: صبر عن اللہ، یہ سن کر شبلی نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش کر گر پڑے۔[1]

چوتھا مرتبہ ''صبر باللہ'' ہے اور یہ اہل تمکین و استقامت کیلئے ہے جو ہوشیاری اور بقا باللہ اور خدائی اخلاق سے متصف ہونے کے بعد ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ اکمل ترین لوگوں کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں ہوتا اور چونکہ ان مراتب تک ہماری رسائی نہیں ہوتی اس لئے اس کتاب میں اس کے ذکر کا فائدہ نہیں ہے۔

(سولہویں حدیث کا اختتام)

(جاری ہے)

*****

[1] شرح منازل السائرین، ص ۸۸، باب الصبر۔

QUARTERLY

The Sada-e-Saqalain

LONDON

January to March 2016

عَبْدُ اللهِ: كَاَنِّيْٓ اَنظُرُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَحْكِيْ نَبِيًّا مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ، ضَرَبَهٗ قَوْمُهٗ فَاَدمَوْهُ، وَ هُوَ يَمسَحُ الدَّمَ عَن وَّجْهِهٖ وَ يَقُوْلُ: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ، فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

عبداللہ کا کہنا ہے: گویا یہ منظر ابھی تک میرے آنکھوں کے سامنے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے کسی نبی کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمارہے تھے: ان کی قوم کے لوگوں نے انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا اور وہ اپنے چہرۂ اقدس سے خون صاف کرتے جارہے تھے اور فرمارہے تھے: ''خدایا میری قوم کو معاف کر دینا کہ یہ نادان ہیں''۔

(صحیح بخاری، ج۶، ص۲۵۳۹، حدیث ۶۵۳۰، وج۳، ص۱۲۸۲، حدیث ۳۲۹۰)

Ahlul Bayt Assembly of UK ®

140 Maida Vale, London, W9 1QB, UK